صاحبِ وقت

مصنّف:۔ محمد نصیب

پیرانِ کامل۔ پیرانِ شریعت و طریقت۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی تعلیمات۔ رُشد و ہدایات اور تصوّف و رُوحانی نظام کا مرقّع

قیمت 10 روپیہ



ناشر:۔ محمد نصیب اینڈ سنز صاحبِ وقت پبلشرز
۳۷۔بی۔گلبرگ ۲۔لاہور

نام کتاب .... صاحبِ وقت
مصنّف .... محمد نصیب
طبعِ اوّل .... اپریل ۱۹۷۹ء
تعداد .... دو ہزار
ڈیزائینر .... محمد انور
نگرانِ کتابت .... محمد یوسف قاضی
مطبوعہ .... نیو فائن پرنٹنگ پریس
۷۶۔ لٹن روڈ۔ لاہور

ترتیب

انتساب

اپنی والدہ محترمہ مرحومہ کے نام معنون
کرتا ہوں جو علومِ دینیہ شریعت و طریقت
میں ایک وقیع مقام رکھتی تھیں۔

م - ن

پیش لفظ

خداوند باری تعالیٰ نے انسان کو انسان بنانے کے لیے قرآنِ حکیم نازل فرمایا اور انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ جب انسان گمراہی کی گہرائیوں میں ڈوب رہا تھا تو اُس کی حُرمت اور بقا کے لیے پیغمبرِ اسلام حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُس کی رہنمائی کے لیے اس دُنیا میں بھیجا۔ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد بزرگانِ دین اور اولیائے کرام نے برہانِ نبوی کو جاری رکھنے کے لیے اپنا کام ہر دَور میں جاری رکھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان بزرگوں کی طرف سے اسلام کی تبلیغ و تشریح و تفسیر اور فروغِ دین کی ترویج جاری و ساری ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کچھ خود ساختہ پیروں نے سادہ لوح مُسلمانوں کو اُن کی لاعلمی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے دامِ فریب میں جکڑا اور اس طرح اِن سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے معاش کا ذریعہ بنایا۔ مزید براں ہماری بے راہ روی اور اسلام سے بے اعتنائی نے

کئی برائیوں کو جنم دیا جس کے نتیجہ میں احساسِ زیاں بھی جاتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ بزرگانِ دین کے رشد و ہدایات اور اُن کی زندگی کے اُن باعمل پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے جن سے ہماری قوم کی تربیت ایسے خطوط پر استوار ہو جن پر عمل پیرا ہونے سے ہم اپنے آپ کو گمراہ کُن رجحانات سے بچا سکیں۔

"صاحبِ وقت" ایک ایسی تصنیف ہے جو ہماری موجودہ نسل کو ایک ولی اللہ کے حالاتِ زندگی سے روشناس کراتی ہے جنہوں نے اُس وقت شمعِ توحید روشن کی جب معاشرہ شرک اور بُت پرستی کا منبع بنا ہوا تھا اور یہاں معصیتوں کا دور دورہ تھا میری مُراد حضرت داتا گنج بخشؒ سے ہے جن کے روحانی فیوض و برکات سے دینی علوم۔ طریقت و حقیقت کے چشمے پھوٹے۔ صاحبِ وقت کی اشاعت اُس سعی کی طرف ایک قدم ہے تا کہ خواص و عوام کو روحانی نظام سے روشناس کرایا جائے۔ اور تزکیۂ نفس و تصفیہ باطن کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

سب اس بات پر متفق ہیں کہ دُنیاوی نظام کے پہلو بہ پہلو

روحانی نظام بھی ہوتا ہے اور مختلف مدارج کے اولیائے کرام ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہیں کہ دنیا کا کوئی گوشہ اُن کے نور سے محروم نہیں رہتا۔ ہر دور میں اولیائے کرام نے دنیاوی نظام پر کڑی نظر رکھی یہاں تک کہ فرعون اور نمرود بھی روحانی گرفت اور خدا کے عذاب سے نہ بچ سکے۔

مجھے اس امر کا نہ صرف اعتراف ہے بلکہ احساس بھی ہے کہ نہ تو میں ایک ادیب ہوں اور نہ عالمِ دین مگر حصولِ علم کی طلب نے مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں اس کتاب کے ذریعہ معاشرے میں پھیلے ہوئے کفر و الحاد کے خیالات کو دور کر سکوں کیونکہ بزرگانِ دین کی تمام زندگی کفر و الحاد کی ضلالتوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے گزری۔ اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ بیسویں صدی کے گمراہ کن رجحانات سے ہماری موجودہ نسل خود کو محفوظ کر سکے۔ بہر حال میں کسی زعم میں مبتلا نہیں ہوں صرف توکلت اللہ ایک نیک قدم اٹھایا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سعی کو مقبول بنائے۔ السعی منی والاتمام من اللہ

میں نے "صاحبِ وقت" کی تصنیف کے سلسلہ میں تصوف کے

موضوع پر بہت سی کتب کا مطالعہ کیا ہے تاکہ حقائق، واقعات اور حکایات کی روشنی میں صاحب وقت کو ناظرین کے لیے قابلِ قبول بنایا جا سکے۔ علم کے اس تجسس کے باوجود اور اپنے اس شوقِ فراواں کے باوصف کچھ کوتاہیوں کا سرزد ہو جانا خارج از امکان نہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ناظرین کرام اگر کوئی غلطی اس تصنیف میں پائیں تو اپنے گراں قدر مشوروں اور پُر مغز معلومات سے مستفید فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن مجوزہ خامیوں کو دور کیا جا سکے۔

محمد نصیب

۳۷ بی گلبرگ ۲
لاہور

المرقوعہ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ
۸ راپریل ۱۹۷۹ء

تعارف

مجھے انتہائی مسرّت ہے کہ جناب محمّد نصیب صاحب نے "صاحب وقت" کے عنوان سے حضرت داتا گنج بخشؒ کے نہایت معتبر سوانح، کشف و کرامات کے واقعات نیز اُن کے تصوّف کے بارے میں نظریات بڑی کد و کاوش سے جمع کر دیئے ہیں۔ فی زمانہ ایسے بزرگانِ دین، ولی اللہ اور قطب الاقطاب کے باب میں خامہ فرسائی بجائے خود ایک مستحسن کام ہے چہ جائیکہ محمّد نصیب صاحب نے اس موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے تحقیق و تدقیق کی مساعی بلیغہ کو کام میں لاتے ہوئے مختلف زبانوں میں جو حضرت داتا گنج بخشؒ کے حالات و واقعات بکھرے ہوئے ہیں انھیں کھنگال ڈالا، بیرونی مفکرین و مدبّرین کے پُر مغز آراء کو جمع کیا، کشف المحجوب کے باب میں جو دیگر زبانوں میں کام ہوا ہے اس سے استفادہ کیا اور ہمارے زمانے کے نوجوان نسل کے مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت مہارت سے حالات و واقعات کے محرکات و عوامل کا

سائنٹیفک انداز میں تجزیہ کیا تاکہ اپنی بات کو مؤثر بنایا جا سکے نیز نتائج کے استنباط و استخراج میں تفکر و تعقل کو دخل دیا، اس کے باوجود حضرت داتا گنج بخش رح سے جو اُن کو ارادت ہے اور دُنیائے اسلام میں بالعموم اور اس برِ صغیر کے مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں بالخصوص جو لوگوں کو حضرت رح سے عقیدت ہے اس کا اظہار صاحبِ وقت کی ایک ایک سطر سے ہو رہا ہے۔ میں نے تو اس کتاب کے بین السطور بھی محمد نصیب صاحب کی ولولہ انگیز عقیدت کو بخوبی محسوس کیا ہے بلکہ سچ پوچھیئے تو اسی عقیدت کی درونی تپش نے مجھے پگھلا دیا اور میں نصیب صاحب کے تعمیلِ ارشاد میں یہ چند تعارفی کلمات لکھنے کو اپنی خوش بختی سمجھنے پر مجبور ہوں۔

آغا سہیل

۲۳۔ ایف سی کالج — صدر شعبۂ اردو ایف سی کالج لاہور

لاہور۔ — ۸ر اپریل ۱۹۷۹ء

صاحبِ وقت میری نظر میں

میرے محترم و معزز دوست جنابِ محمد نصیب، بے پایاں صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ نہایت ہمدرد، انسان دوست اور صاحبِ نظر شخصیّت ہیں۔ انہوں نے اپنی اس منفرد تخلیق "صاحبِ وقت" میں جس محنت، عرق ریزی اور جانفشانی سے روحانیت و نورِ تصوّف کے اس اہم موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے اس سے میری نظر میں ان کی قدر و قیمت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

انہوں نے کمال خوبصورتی سے تصوّف کے اس مشکل موضوع کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے۔ اور عام فرسودہ روش سے ہٹ کر حضرت داتا صاحبؒ کی شخصیّت کے مجموعی تأثر کو آفاقی رنگ سے یوں مہکایا کہ اس کی داد دینے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔ مصنّف کی اپنی گہری بصیرت سے بھرپور نگاہ کے علی الرّغم۔ مغربی محقّقین و مصنّفین کے پُرمغز حوالہ جات کتاب کے

حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ ہر باب کے ساتھ مختصر اقتباسات اور دلکش سُرخیاں اُن کے اختراعی ذہن کی حسین جھلک دکھاتی ہیں۔

روحانیت کے موضوع کو عموماً جذباتی و غیر سائنسی انداز میں پیش کیا جاتا رہا ہے، مگر جناب نصیبؔ نے اس کو منطقی استدلال اور حسنِ بیان کا ایک ایسا مرقع بنایا کہ جو سالہا سال تک اس موضوع کے چاہنے والوں سے دادِ تحسین وصول کرتا رہے گا۔

۱۳ اپریل
۱۹۷۹ء

شریف فاروق
مدیرِ اعلیٰ
روزنامہ "جہاد"
خیبر بازار۔ پشاور

بابِ اوّل

غزنی کا مسافر

قدرت کی کرشمہ سازی سمجھ لیجیئے کہ دریائے
راوی کی یہی گزرگاہ آج سے تقریباً چالیس برس
پہلے قائداعظمؒ کی آماج گاہ بنا جہاں اُنھوں نے
پاکستان کا پرچم لہرایا اور قیام پاکستان کے لیے
ایک قرارداد پیش کی اور یہی دریائے راوی کا
کنارہ ہی تو تھا جہاں سب سے پہلے ہندو نے
جو لاہور کا گورنر تھا حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں
اسلام قبول کیا۔ قائداعظمؒ نے سچ ہی تو
کہا تھا کہ دراصل پاکستان اُسی دن ہی قائم
ہو گیا تھا جس دن اِس برّصغیر کے پہلے ہندو
نے کلمہ حق پڑھا۔

ایک دفعہ محمود غزنوی غزنی کے اپنے قائم شدہ مدرسہ میں جا نکلا جہاں ایک کم سن طالب علم پڑھائی میں منہمک تھا۔ مدرسہ کے معلّم رضوان نے پکارا۔ دیکھو مخدوم علی! کون آیا ہے؟!!
عجیب منظر تھا ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری جانب ایک نو عمر طالب حق۔ محمود غزنوی جس کی تلوار کی جھنکار سے سارا ہندوستان لرز اُٹھا آج وہ ایک بچّے کے سامنے سرنگون ہو گیا۔
یہ طالب علم راہِ حق کے متلاشی سید مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت داتا گنج بخش رح جب لاہور تشریف لائے تو لاہور میں جا بجا جہاں تہاں بدھ مورتی پوجا کے مراکز تھے۔ آپ نے شرک کے ان مراکز میں شمعِ توحید روشن کی۔ آپ کے اخلاقِ عالیہ۔ زہد و تقویٰ اور علم و فضل کی کشش سے ہزاروں کفار حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ہزاروں جاہل آپ کے ذریعہ سے عالم۔ ہزاروں گمراہ رُوبراہ۔ ہزاروں دیوانے صاحب عقل۔ ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں ریاکار نیکوکار ہو گئے۔

محمود غزنوی کا دربار علماء و فضلاء اور اربابِ فضل و کمال کا مرکز بن گیا۔ علماء میں ابوالقاسم۔ خواجہ احمد بن حسن۔ ابو ریحان البیرونی اور شعراء میں فرخی۔ عنصری اور فردوسی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ غرض کہ حضرت داتا گنج بخش ؒ کی ولادت ایسے ماحول میں ہوئی جب غزنی دینی علوم۔ علم و فضل اور تہذیب و تمدن کا ایک عظیم گہوارہ بن چکا تھا۔

غیر ممالک کے مؤرخین نے یہ ثابت کرنے کی ہمیشہ ناپاک جسارت کی ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا اور محمود غزنوی کو بیشتر مؤرخین نے اس الزام کا موجب ٹھہرایا ہے اور اس کی شخصیت کو داغدار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی سلطان محمود غزنوی اور اس کے لشکرِ اسلام نے ہندوستان پر کیوں چڑھائی کی ؟ اس کا جواب اور محمود کے کردار کی جھلک اس باب میں پیشِ خدمت ہے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک جنگجو ۔ بہادر اور سرفروش افغانی قبیلہ جسے تاریخ میں روہیلوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس برِّ صغیر میں سابق متحدہ آگرہ و اودھ کے شمالی حصّہ میں بازورِ توحید الٰہی آباد ہوا۔ اس قبیلہ کی نسبت سے اس علاقہ کو روہیل کھنڈ کہتے ہیں ۔ روہیلوں نے ۱۷۷۲ء میں سردار حافظ رحمت خاں کی سرکردگی میں مرہٹوں کو عبرت ناک شکست دے کر ایک دفعہ پھر محمود غزنوی کی آب و تاب اور جاہ و جلال کی یاد تازہ کر دی ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

غزنی کا مسافر

آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل سلطان محمود غزنوی نے برّصغیر پاک و ہند پر یکے بعد دیگرے سترہ حملے کر کے کفار کے بُت پاش پاش کر دیئے۔ یہ وہ وقت تھا جب بُت پرستی اور مادہ پرستی کا دَور دورہ تھا جب محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ کیا تو پجاریوں اور دیویوں نے زیورات۔ سونا چاندی، ہیرے اور جواہرات محمود کے قدموں پر ڈال دیئے اور التجا کی کہ اُن کے بُت نہ توڑے جائیں۔ محمود غزنوی نے کہا میں بُت شکن ہوں۔ بُت فروش نہیں۔ میں سرفروش ہوں ایمان فروش نہیں۔ یہ کہکر آناً فاناً محمود نے سومنات کے بُت توڑ ڈالے اور اس طرح ہندوؤں کے تمام بُرج اُلٹا کر رکھ دیئے۔

چند ہی سال بعد سیّد مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخش

نے غزنی سے چل کر دریائے راوی کے کنارے اسلام کا جھنڈا گاڑا
لوگوں کو اُن کے مقصدِ حیات سے روشناس کرایا اور زندگی کے
راز کھول کر رکھ دیئے۔

قدرت کی کرشمہ سازی سمجھ لیجئے کہ دریائے راوی کی یہی گذرگاہ
آج سے تقریباً چالیس برس پہلے قائدِاعظم محمد علی جناحؒ بانیٔ پاکستان
کی آماجگاہ بنا جہاں اُنھوں نے پاکستان کا پرچم لہرایا اور قیامِ پاکستان
کے لیے ایک قرارداد پیش کی اور یہی دریائے راوی کا کنارہ ہی تو تھا
جہاں سب سے پہلے ہندو نے جو لاہور کا گورنر تھا حضرت داتا گنج بخشؒ
کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ قائدِاعظمؒ نے سچ ہی تو کہا تھا کہ دراصل
پاکستان اُس دن ہی قائم ہو گیا تھا جس دن برّصغیر کے پہلے ہندو نے
کلمہ حق پڑھا۔ لاہور شہر جو اسلامی مملکتِ پاکستان کا دل ہے اُسی
دن جگمگا اُٹھا جب حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ نے اپنے مبارک
قدم اس سرزمین پر رکھے۔ تہذیب و تمدّن۔ علم و فضل اور فتح و
نُصرت کا یہ گہوارہ بڑے بڑے دانشوروں، سیاست دانوں۔
ادیبوں، فلسفیوں اور شاعروں کا ہی مسکن نہ تھا بلکہ اولیائے کرام نے
بھی لاہور کو چاہا اور اسی کو تبلیغِ توحید کے لیے پسند کیا۔

ایک چراغ گُل ہُوا اور دوسرا روشن
ایک مسافر رُخصت ہُوا اور نیا وارد

غزنی میں ایک پیرِ کامل نے اپنے مرید کو حکم دیا۔ "لاہور چلے جاؤ" مُرید نے کچھ تعقّل برتا اور کہا وہاں پہلے ہی میرے پیر بھائی موجود ہیں۔ اپنے مُرشد کے اصرار پر سرِ تسلیم خم کر کے غزنی کے مسافر نے لاہور شہر کی طرف کوچ کیا۔ راستہ دُور اور دشوار تھا کہیں پہاڑ کہیں دریا کہیں دشت و صحرا۔ پیرو مُرشد کا حکم اٹل تھا اور مرید کا ارادہ مصمّم یقین محکم تھا اور ایمان پختہ۔ ہزاروں میل کی مسافت طے ہوئی۔ منزلِ مقصود نے آگے بڑھ کر مردِ مومن کے قدم چُومے۔ لاہور شہر میں داخل ہوتے ہی مسافر نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک جمِ غفیر تھا اور ایک جنازہ "کس نے کوچ کیا اس جہانِ فانی سے؟" مسافر نے پُوچھا۔ غیب سے آواز آئی

"ایک چراغ گُل ہُوا اور دوسرا روشن"

"ایک مسافر رخصت ہُوا اور نیا وارد"

اس دنیا سے رخصت ہونے والے حضرت شاہ حسین زنجانیؒ تھے اور نو وارد حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ. دونوں رہنما ایک ہی پیرو مرشد حضرت شیخ ابوالفضل ختلانیؒ کے مرید تھے جنھوں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کو غزنی میں لاہور کے لیے روانگی کا حکم دیا تھا. اب آپ پر انکشاف ہوا کہ لاہور میں آپ کی تقرری آپ کے پیرومرشد کی ایک کرامت تھی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے سلطان محمود غزنوی کے دورِ حکومت میں آنکھ کھولی

سلطان العارفین۔ سالکِ طریقت و حقیقت۔ مظہر انوارِ طریقت سید مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ کی پیدائش مبارک غزنی کے محلہ ہجویر ۴۰۰ھ میں ہوئی۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہدِ حکومت تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا تعلق محلہ ہجویر سے تھا اور آپ کے والدِ گرامی غزنی کے محلہ جلاب کے رہنے والے تھے۔ والدین نے

آپ کا اسم مبارک مخدوم علی رکھا۔ آپ کے والدِ گرامی عثمان کے نام سے یاد کیے جاتے تھے اور دادا بزرگوار علی کہلاتے تھے۔ آپ کی والدہ نہایت نیک اور صاحبِ علم خاتون تھیں۔ حضرت شیخ تاج الاولیا رشتہ میں آپ کے ماموں تھے۔ آپ کا خاندان زہد و تقویٰ اور علمی فضیلت میں ممتاز تھا۔ آپ کے والد عثمان جلابیؒ ایک درویش تھے جو پارسائی میں شہرت خاص رکھتے تھے اور بڑی عزت و تکریم کی نظر سے دیکھے جاتے تھے

"حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر گامزن تھے۔ آپ نے کشف المحجوب میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے آپ کو خواب میں فرمایا کہ ابو حنیفہؒ کو خداوندِ قدوس نے میری سنّت کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے پیدا کیا ہے"

حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کی پیدائش سے لے کر محمود غزنوی کی وفات تک غزنی کی حکومت نے ان ایّام میں خوب ترقی کی۔ سلطان محمود نے ۴۰۹ھ میں ایک عظیم الشان مسجد

غزنی میں تعمیر کرائی جس سے ملحق ایک کتب خانہ تھا جس میں نادر و نایاب کتابیں اور مفید قلمی نسخے تھے۔ محمود غزنوی کا دربار علماً فضلا اور ارباب فضل و کمال کا مرکز بن گیا۔ علماء میں ابوالقاسم خواجہ احمد بن حسن میمندی ابوریحان البیرونی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شعراء میں فرخی۔ عنصری اور فردوسی شامل تھے جو کسی تعارف یا تعریف کے محتاج نہیں۔ غرض کہ حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کی ولادت ایسے ماحول میں ہوئی جب کہ شہر غزنوی دنیائے اسلام کے ممتاز اور معروف علماء و فضلاء کا گہوارہ تھا۔ بیسیوں مدرسے تھے جن میں تعلیم و تربیت کا خاصا انتظام تھا۔ دُور دراز سے طلباً غزنی میں حصول علم کے لیے آتے اور ان تعلیمی مراکز سے استفادہ حاصل کر کے واپس لوٹتے۔ محمود غزنوی نے ۴۱۰ھ میں ایک دینی ادارہ بھی قائم کیا جو اسی شہر میں سب سے پہلی اسلامی درس گاہ تھی۔ حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ بچپن ہی سے دینی علوم کے طلبگار تھے اور آپ کی اسی دینی عقیدت نے آپ کو معراجِ فضیلت سے ہمکنار کیا۔

رضوان نے کہا۔ دیکھو مخدوم علی! کون آیا ہے؟

حضرت خواجہ مستان شاہ کابلیؒ اپنی کتاب سلطان العاشقین میں فرماتے ہیں کہ جن کا دل خداوند کریم کی طرف متوجہ ہو وہ دنیا کی نعمتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ محمود غزنوی کے اس قائم کردہ دینی مدرسہ میں اکثر دیکھے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بمشکل بارہ تیرہ سال کی ہوگی۔ حصولِ علم کے جذبہ سے سرشار یہ طالب علم تعلیم میں اتنا محو ہوتا کہ صبح سے شام ہو جاتی مگر کبھی پانی تک پیتے بھی نہ دیکھا گیا۔ رضوان نامی سفید ریش بزرگ اس مدرسہ کے مدرس تھے۔ اور اپنے اس خاموش طبع طالب علم کو تکریم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ محمود غزنوی کا گذر اس مدرسہ کی جانب ہوا اور اس عظیم درسگاہ میں آ گیا۔ دیگر شاگردوں کے برعکس حضرت مخدوم علی ہجویریؒ اپنے کام میں اتنے منہمک تھے کہ ان کو کوئی خبر نہ تھی۔ بزرگ رضوان نے پکارا۔ دیکھو مخدوم علی!

کون آیا ہے ؟ اب کیا تھا ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری جانب ایک کم سن راہِ حق کا متلاشی ۔ عجیب منظر تھا ۔ محمود غزنوی نے اِس نوعمر طالب علم کی تجلّیات کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں فوراً جُھکا دیں اور مدرّس سے کہا۔ "واللہ یہ بچّہ خدا کی طرف راغب ہے ۔ ایسے طالب علم اس مدرسہ کی زینت ہیں"۔ فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کے بڑے بڑے راجے اور مہاراجے تھرّاتے تھے اور جس کی تلوار سے سارا ہندوستان لرز اُٹھا وہ ایک کمسن طالب علم کے سامنے سرنگوں ہو گیا ۔

ہندوستان کا ہندو فلسفی محمود غزنوی کی موجودگی میں داتا گنج بخش ؒ کے ساتھ مناظرہ کے بعد مُسلمان ہو گیا

جیسے کہ بیان کیا گیا ہے کہ محمود غزنوی کے دَور میں غزنی شہر علم و فضل اور تہذیب و تمدّن کا ایک گہوارہ بن چکا تھا ۔ تعلیمی مراکز میں مذاکرے اور مناظرے اُن دنوں عام ہُوا کرتے تھے ۔

اور بین الاقوامی شہرت کے ادیب فلسفی اور عالم شرکت کیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ مستان شاہ کابلیؒ ایک مناظرے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک ہندو فلاسفر رام نارائن نے ہندوستان سے غزنی پہنچ کر اعلان کر دیا کہ جو شخص روحانیت میں اُس کے ساتھ مناظرہ میں اُس کو ہرا دے گا وہ اُس کا غلام ہو جائے گا۔ البیرونی عنصری ایسے عالموں کی موجودگی میں محمود غزنوی نے حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کو اس مناظرہ کی دعوت دی۔ یہ مناظرہ سینکڑوں عالموں فلاسفروں اور شاعروں کی موجودگی میں ہوا۔ آخر طویل مناظرہ کے بعد ہندو فلسفی نے نہ صرف نوجوان سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کی روحانیت میں قابلیت کا اعتراف کیا۔ بلکہ سب کے سامنے دعوتِ اسلام قبول کر کے کلمۂ حق پڑھا۔ اس مناظرہ کے بعد حضرت سیّد مخدوم علی ہجویری کی پیشانی کو محمود غزنوی نے بوسہ دیا اور اپنے حق میں دعا کے لیے التجا کی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ محمود غزنوی کی سب فتوحات میں اُس کے ساتھ تائید ربّانی بھی تھی اور اس وقت کے بزرگانِ دین اسلام کی

عظمت اور حشمت کے لیے ہمیشہ بدست دعا تھے تاکہ شمع توحید و رسالت تاقیامت جگمگاتی رہے۔

سلطان محمود غزنوی نے لشکرِ اسلام کے ساتھ ہندوستان پر چڑھائی کیوں کی؟

غیر ممالک کے مؤرخین نے یہ ثابت کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے اور محمود غزنوی کو بیشتر مؤرخین نے اس الزام کا موجب ٹھہرایا ہے۔ اور اس کی شخصیت کو داغدار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس پس منظر میں سلطان محمود غزنوی کی فتوحات اور اس کے کردار سے متعلق ایک جھلک پیش کرنا نہ صرف ایک فرض بلکہ ایک جہاد تصور کرتا ہوں۔

امیر افغانستان سبکتگین غزنوی ۳۶۷ھ میں لاہور پر حملہ آور ہوا اور نہ صرف لاہور بلکہ ملتان کا صوبہ بھی فتح کر لیا۔ ان دنوں برہمن خاندان کا راجہ جے پال لاہور میں حکومت کرتا تھا سبکتگین نے

لاہور کا صوبہ اُس کو واپس کر دیا مگر وہ شکست کا دھبّہ مٹانے کے لیے دریائے سندھ کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہُوا مگر شکست فاش کھائی اور خراج کی ادائیگی پر رضامند ہو گیا۔ یہ خراج زرِ نقد اور ہاتھیوں کی پیش کش تھی۔ امیر سبکتگین نے اپنا معتمد نواب خیر اللہ خان کو اُس کے ساتھ روانہ کیا۔ واپسی پر راجہ جے پال اپنے وعدہ سے منکر ہو گیا اور خراج دینے سے انکار کر دیا اور نواب خیر اللہ خان کی بر سرِ دربار بے عزّتی کی۔ جب یہ خبر غزنی پہنچی تو سبکتگین فوج کثیر لے کر روانہ ہُوا اور باوجودیکہ راجگان دہلی۔ اجمیر۔ قنوج و کالنجر راجہ جے پال کی مدد کو آئے سبکتگین نے گھمسان کی جنگ کے بعد اُسے شکست فاش دی۔

امیر سبکتگین کی وفات کے بعد ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اب اُس کا بیٹا سلطان محمود غزنوی ۳۹۱ھ میں تخت نشین ہُوا۔ جب محمود کو یہ علم ہُوا کہ کفار نے ہندوستان کے مسلمانوں پر ظلم و ستم شروع کر دیا ہے اور مسلمانوں کو وحدانیت اور توحید کی راہ سے ہٹا کر بُت پرستی

کی طرف مائل کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے تو محمود غزنوی کی غیرت نے للکارا اور عہد کیا کہ وہ اب بُت شکن بن کر ہندوستان پر حملہ آور ہوگا۔ سب سے پہلے ۳۹۲ھ میں پشاور میں راجہ جے پال کی فوجوں کو شکست دی۔ پھر اُس کے بیٹے انند پال کی افواج کو ۳۹۹ھ میں روند ڈالا۔ ۴۰۱ھ میں ملتان کو فتح کیا۔ ۴۰۵ھ میں تھانیسر پر حملہ آور ہوا اور متھرا کے پجاریوں کی خبر لی۔ ان حملوں میں بے شمار مالِ غنیمت لے کر غزنی واپس لوٹ آیا۔ ۴۰۹ھ میں کنوج کو تاراج کیا۔ ۴۱۳ھ میں گوالیار اور کالنجر کے راجاؤں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ ۴۱۲ھ میں لاہور کے راجہ ترلوچن کو شکست دی اور وہاں ایک مسلمان گورنر مقرر کیا۔ ۴۱۶ھ میں سومنات کے مندر گجرات کاٹھیاوار پر حملہ کیا۔ سومنات کا مندر سمندر کے کنارے واقع تھا اور اُس میں چاند دیوتا کا ایک قوی ہیکل بُت رکھا تھا۔ ہندوستان کے تمام راجے اس بُت سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ سورج اور چاند گرہن کے موقعوں پر یہاں ایک زبردست میلہ لگتا۔ سونا چاندی، ہیرے جواہرات اس بُت کی نظر کیے جاتے۔ سلطان محمود

غزنوی جب ہندوستان کے مختلف مقامات فتح کر رہا تھا تو بُت پرستوں کا یہ خیال تھا کہ اُن پر یہ عتاب سومنات کی ناراضگی کے باعث نازل ہُوا ہے۔ محمود کو اس بات کا علم ہُوا تو اُس نے اس بُت کو توڑنے کا مصمّم ارادہ کر لیا تاکہ لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی دُور ہو جائے۔ سومنات پر حملہ کرنا پورے ہندوستان کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ محمود تیس ہزار بہادر اور جرّی سپاہیوں کے ہمراہ غزنی سے روانہ ہوا۔ اس اثنا میں ہندوستان کے راجاؤں نے تین لاکھ سے زائد فوج محمود کے مقابلہ میں جمع کر دی۔

محمودِ غزنوی حضرت خرقانی رح کی گودڑی پہن کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گیا

سلطان محمود غزنوی روانگی سے قبل حضرت ابوالحسن علی بن احمد الخرقانی رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دعا کا طلب گار ہُوا۔ حضرت خرقانی رح نے اسلام کے شیدائی

اور فدائیِ رسولؐ کے حق میں فتح کی دُعا مانگی اور محمود غزنوی کو اپنی گودڑی عطا کی تاکہ بوقت مشکل محمود اس گدڑی کو پہن کر بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جائے۔ ہندوؤں کے تین لاکھ لشکر کے مقابلہ میں محمود غزنوی صرف تیس ہزار پر مشتمل فوج کے ساتھ روانہ ہُوا۔ اس لشکر میں عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں سے جہاد کا ثوابِ حاصل کرنے کے لیے فدایانِ دین شامل تھے جن کو محمود نے غازیوں کے لشکر کے نام سے پُکارا۔ یہ پُراسرار غازی دشمنوں پر برس پڑے۔ کئی مقامات پر گھمسان کی جنگیں ہوئیں ہندوؤں کا سب سے مضبوط قلعہ سومنات کے قریب تھا اور تمام ہندوستان کے مہاراجوں کی فوجیں یہاں اس مندر اور اس کے قوی ہیکل بُت کی حفاظت کے لیے صف آرا تھیں محمود نے فوری طور پر حملہ سے پہلے حضرت خرقانیؒ کی گدڑی پہن کر بارگاہِ خداوندی میں اپنے غازیوں کے ساتھ نماز ادا کی اور فتح کے لیے دُعا کی۔

محمود نے کہا میں بُت شکن ہوں بُت فروش نہیں میں سر فروش ہوں ایمان فروش نہیں

سلطان محمود غزنوی کے لشکر غازیان نے ہندوستانی فوجوں کو کائی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور سومنات مندر کے اندر داخل ہو گیا پجاری التجا کرنے لگے کہ بُت نہ توڑا جائے۔ اُنھوں نے محمود کو مُنہ مانگی دولت دینے کی پیش کش کی۔ محمود نے کہا "میں بُت شکن ہوں بُت فروش نہیں میں سرفروش ہوں ایمان فروش نہیں" اس اعلان کے بعد محمود نے اپنا گُرز بُت پر مارا اور اُسے پاش پاش کر دیا۔ اِس بُت کے اندر سے اس قدر دولت نکلی جو سلطان محمود کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور اِس طرح محمود کو اپنی بُت شکنی کا صِلہ مل گیا۔

محمود غزنوی ۴۲۱ھ میں وفات پا گیا۔ اُس کی وفات کے بعد ہندو راجاؤں نے متعدد بار بغاوتیں کیں اور مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر بے دردی سے تہ تیغ کیا۔ مساجد کو ویران کر دیا گیا۔ لاہور کے صرف ایک محلہ میں دو ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔

سلطان محمود غزنوی کا غلام ملک ایاز جو اپنی درخواست پر محمود غزنوی کی اجازت سے لاہور میں تھا اُس نے حضرت داتا گنج بخش رحؒ کے ساتھ ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد ملک ایاز روحانی عالم میں داخل کر لیا گیا۔ باب "لاہور کے اہم واقعات" میں اس موضوع پر تفصیلاً درج کیا گیا ہے کہ کس طرح ملک ایاز لاہور کو دوبارہ آباد کرنے میں کامیاب اور کامران ہُوا۔

ان ناگوار حالات میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی لاہور میں آمد اور پھر تبلیغ اسلام کوئی آسان کام نہ تھا۔ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور اُن دنوں بُدھ رسوم کا مرکز تھا۔ برہمنی سامراج نے اپنی مخصوص چالوں سے مہاتما بُدھ کو اپنے لاتعداد خداؤں کی فہرست میں ایک بُت کی حیثیت سے شامل کر لیا اور اس طرح بُدھ مت ہندو دھرم کے ایک فرقے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخشؒ جب لاہور تشریف لائے تو لاہور میں جا بجا مہاتما بُدھ مورتی پوجا کے مراکز تھے۔ آپ نے شرک کے ان مراکز میں شمعِ توحید روشن کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ آپ نے

کسی ناموافق اور نامساعد سیاسی و سماجی حالت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی۔ آپ کی شرافتِ نفس۔ اخلاقِ عالیہ۔ زہد و تقویٰ اور علم و فضل کی کشش نے لوگوں کو اپنی طرف راغب کر لیا۔ اور ہزاروں کفار حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ہزاروں جاہل آپ کے ذریعہ سے عالم۔ ہزاروں گمراہ رُو براہ۔ ہزاروں دیوانے صاحبِ عقل۔ ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں ریاکار نیکوکار ہو گئے۔

حضرت معین الدین چشتیؒ کا تعلق بھی افغانستان کے علاقہ سیستان سے ہے۔ آپ ۵۳۶ھ میں سیستان کے قصبہ سنجر میں پیدا ہوئے اس لیے آپ کو سنجری کہا جاتا ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے

سیّد ہجویر مخدومِ امم

مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم

یعنی حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ جنھوں نے اُمتِ محمدیہ کی خدمت کی اُن کے مزار پر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا حرم ہے۔ آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر چلّہ کشی کی اور آپ کے

حجرۂ اعتکاف کا وجود ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اگرچہ بزرگانِ دین جسمانی طور پر ہم سے جُدا ہو جاتے ہیں مگر روحانی طور پر ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور اُن کی دعاؤں کے طفیل عوام اور خواص مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہر وقت باوضو رہا کرتے تھے یہ بات ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ آپ ستّر سال تک متواتر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے رہے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ اکثر اوقات مسلسل سات دن تک روزہ رکھتے تھے۔ راتوں کو سوتے نہیں تھے بلکہ بیداری اور عبادت میں گزارتے تھے۔ وہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں دو مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ ہر ختم کے بعد غیب سے آواز آتی اے معین الدین ہم نے تیرا ختم قبول کیا۔

حضرت بابا فریدالدین شکر گنج کے آبا و اجداد بھی افغانستان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں مقیم ہوئے۔ آپ کے دادا قاضی شعیب اور والد قاضی جمال الدین سلیمان لاہور میں

حضرت بابا فریدالدین شکر گنج گھٹنوں اور کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستانۂ عالیہ پر حاضری دیتے

قاضی تھے آپ کا اصل نام فریدالدین اور گنج شکر کے لقب سے مشہور ہیں جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بچپن میں آپ کی والدہ انھیں نماز کی ترغیب دینے کے لیے مصلے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں اُن کے مصلّے کے نیچے سے شکر کی پڑیا مل جاتی ہے۔ حضرت بابا فریدؒ نماز پڑھنے کے بعد مصلّے کے نیچے سے شکر کی پڑیا لے لیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ پڑیا رکھنا بھول گئیں۔ جب بیٹے سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی۔ بیٹے نے جواب دیا۔ ہاں نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔ والدہ بہت متعجّب ہوئیں سمجھ گئیں کہ بچّے کو غیب سے مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اُس دن سے شکر گنج کہہ کر پکارنے لگیں اور آپ اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کا سلسلہ حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے ملتا ہے۔ آپ جب ۱۸ سال کے تھے تو آپ کی ملاقات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ایک مسجد میں ہوئی۔ ایک ہی نظر میں دونوں نے ایک دوسرے کی شخصیت کا اندازہ کر لیا۔ چنانچہ بابا صاحبؒ نے ان سے بیعت کی۔ جب حضرت بختیار کاکیؒ دہلی واپس جانے لگے تو بابا صاحب کو نصیحت کی کہ علوم ظاہر و باطن کا سلسلہ جاری رکھنا۔ آپ نے ایسے ایسے مجاہدے کیے جن کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ غیر آباد کنوئیں میں الٹے لٹک کر عبادت کیا کرتے تھے۔ دن بھر مراقبہ میں رہتے تھے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق رات کے وقت مؤذن آپ کو رسّی سے باندھ کر کنویں میں اُلٹا لٹکا دیا کرتا اور رسّی کا دوسرا سرا درخت سے باندھ دیتا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر یہاں اعتکاف فرمایا اور چلّہ کشی کی اور اکتساب فیوض و برکات حاصل کرتے رہے چنانچہ حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کے آستانہ عالیہ سے ذرا فاصلہ پر آپ کی جائے اعتکاف بھی موجود ہے۔ آپ کے متعلق بیان

کیا جاتا ہے کہ آپ از راہِ آداب جب بھی مرقد مبارک پر حاضر ہوتے تو گھٹنوں اور کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے حاضر ہوتے۔ بابا صاحب کے تقدس اور اُن کی مقبولیت کا اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیا جیسے باکمال ولی اللہ آپ کے دست حق پر بیعت ہوئے۔

حضرت شاہ حسین زنجانی آپ کے پیر بھائی کا مزار بھی لاہور میں ہے

حضرت شاہ حسین زنجانی المعروف میراں شاہؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ ایک ہی پیرو مرشد شیخ ابوالحسن ختلانیؒ کے مرید تھے۔ حضرت شاہ حسین زنجانیؒ ۳۹۵ھ میں لاہور میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کا وطن خراسان کے قریب زنجان ہے۔ اندجان اور سنجان خراسان کے گرد و نواح میں مشہور تاریخی قصبے ہیں۔ آپ ٹھیک اُسی دن رحلت فرما گئے جب حضرت داتا گنج بخشؒ نے

لاہور میں قدم رکھا۔ آپ کا مزار لاہور کے مشرق میں چاہ میراں کے قریب ہے۔ مزار کے صدر دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ بارگاہ فیض پناہ عارف سبحانی۔ قطب ربانی جناب حضرت سید میراں حسین رضی اللہ عنہ"

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے مزار پر بھی چلہ کشی کی۔ آپ کے مزار کے جنوب کی طرف حجرہ بنا ہوا ہے جس پر حجرۂ اعتکاف خواجہ معین الدین اجمیریؒ تحریر ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ افغانستان کے اولیائے کرام نے پاکستان کی سرزمین کو دل سے چاہا اور یہاں سکونت اختیار کر کے شمع توحید روشن کی۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان اور پاکستان کا روحانی رشتہ ایک ہزار سال سے زائد قدیم ہے اور باہمی اُلفت و اُنسیت سے دونوں اسلامی ممالک سرشار ہیں۔

ایک اور افغانی قبیلہ روہیلوں نے محمود غزنوی کی آب و تاب اور جاہ و جلال کی یاد تازہ کر دی

اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک جنگجو۔ بہادر اور سرفروش افغانی قبیلہ جسے تاریخ میں روہیلوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس برصغیر میں سابق متحدہ آگرہ و اودھ کے شمالی حصّہ میں بازورِ توحیدِ الٰہی آباد ہوا۔ اس قبیلہ کی نسبت سے اس علاقہ کو روہیل کھنڈ کہتے ہیں۔

روہیلوں نے ۱۷۷۲ء میں سردار حافظ رحمت اللہ خاں کی سرکردگی میں مرہٹوں کو عبرتناک شکست دے کر ایک دفعہ پھر محمود غزنوی کی آب و تاب اور جاہ و جلال کی یاد تازہ کر دی۔ شجاع الدین جو اس وقت اودھ کا نواب تھا روہیلوں کی شجاعت اور جوانمردی سے متاثر ہو کر اس افغان قبیلہ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ اگر مرہٹوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا تو نواب روہیلوں کی مدد کو آئے گا مگر مرہٹوں نے پھر ۱۷۷۳ء میں روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔

اس مرتبہ روہیلوں نے جنگ میں مرہٹوں کے ایسے دانت کھٹے کیے کہ وہ ہزاروں لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ جب مؤرخین نے اس افغان قبیلہ کو دادِ شجاعت دینا شروع کی تو قدرتی طور پر روہیلوں کا مقام بلند سے بلند تر ہو گیا۔ اب نواب اودھ خائف ہو گیا کہ کہیں روہیلے اُس کی سلطنت پر قابض نہ ہو جائیں اس لیے نواب نے انگریزوں سے ساز باز شروع کر دی اور ستمبر ۱۷۷۳ء میں نواب اودھ نے انگریزوں کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا جو عہد نامہ بنارس کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عہد نامہ دراصل انگریز کی حکمتِ عملی کا کارنامہ تھا۔ چنانچہ انگریز جنھوں نے اپنے پاؤں پہلے ہندوستان میں پھیلا رکھے تھے اس قبیلہ کو نواب اودھ کے ساتھ مل کر کچلنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ انگریز کی حکومت کو ہندوستان میں استحکام حاصل ہو جائے۔

نواب اودھ اگر روہیلوں کے ساتھ غداری نہ کرتا تو ہندوستان میں انگریزوں کے پاؤں کبھی نہ جمتے

شجاع الدین نواب اودھ کی فوج نے انگریز کرنل چیمپین کی سرکردگی

میں ۲۳ اپریل ۱۷۷۴ء کو میراں پور کٹڑا کے مقام پر بھاری توپ خانہ کی مدد سے روہیلوں کے ساتھ جنگ کا آغاز کر دیا۔ روہیلوں کے سردار حافظ رحمت خان نے انگریز اور نواب اودھ کی فوجوں کے ساتھ گھمسان کی جنگ لڑی۔ اس جنگ کی ہیبت سے سارا ہندوستان لرز اُٹھا سینکڑوں انگریز مارے گئے ہزاروں نواب کے سپاہی بھاگ نکلے۔ اسی اثنا میں ایک توپ کے گولہ سے حافظ رحمت خان شہید ہو گیا جس کے باعث روہیلوں نے اِس رنج کے عالم میں جنگ بند کر دی۔ لارڈ وارن ہیسٹنگز اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہو گیا۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر نواب اودھ اس افغان قبیلہ کے ساتھ غداری نہ کرتا تو انگریز کے ہندوستان میں کبھی پاؤں نہ جمتے اور اس برِّ صغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔

پاکستان کے قیام کو اس قبیلہ نے لبیک کہا اور قائد اعظمؒ بانیٔ پاکستان کے ساتھ والہانہ عقیدت کے باعث اسلام کے جذبہ سے سرشار اس قبیلہ نے پاکستان ہجرت کی۔ قیام پاکستان کے وقت اس افغان قبیلہ میں صنوبر خان مرحوم پلیش پلیش تھے جو

کراچی میں آباد ہو گئے۔ پاکستان کو دل و جان سے عزیز سمجھنا اس قبیلہ کا ایک مقدس فریضہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار محب الوطن عناصر کے صف اول میں ہوتا ہے۔

باب دوم

حضرت داتا گنج بخشؒ

کی

آمد سے وفات تک

اہم واقعات

لاہور شہر کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ
افغانستان کے ایک ہی پیر و مُرشد
کے دو مُریدوں نے اس شہر کے
مشرق اور مغرب میں اِسلام کے پرچم
لہرائے اور شمعِ توحید روشن کی۔ حضرت
داتا گنج بخشؒ کا مزار لاہور کے مغرب
میں بیرون بھاٹی دروازہ اور حضرت
شاہ حسین زنجانیؒ کا مزار لاہور کے
مشرق میں چاہ میراں کے قریب ہے۔

یہ فضیلت بھی لاہور شہر کو ہی حاصل ہے
کہ پیرانِ پیر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
نے لاہور میں داتا گنج بخشؒ اور حضرت
شاہ حسین زنجانی کے مزاروں پر چلّہ کشی کی
اور آپ کے حجرہ اعتکاف کا ان مزاروں پر
موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اولیائے
کرام کی وفات کے بعد بھی بزرگانِ دین اور
عوام اُن کے روحانی فیض سے استفادہ
کر سکتے ہیں۔

لاہور کے ہندو گورنر رائے راجُو نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھ اِسلام قبول کرلیا؟۔ اس شخص کی ظاہری وباطنی زندگی میں انقلاب آگیا اور بہت جلد قرآنِ حکیم و رموزِ شریعت سے بہرہ ور ہوکر ایک باعمل زاہد و عابد بزرگ ہوگیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس نومُسلم کو کو شیخ ہِندی کے خطاب سے نوازا۔

اے علی! تجھے خلقتِ خدا گنج بخشؒ کہتی ہے اور عجیب لطف ہے کہ تُو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس بات کا کہ مخلوق تجھے گنج بخشؒ کہتی ہے کبھی خیال تک بھی نہ لا ورنہ محض دعویٰ اور غرور ہوگا۔ گنج بخشؒ یعنی خزانے بخشنے پر قادر تو صرف اُس کی ایک ذات ہے۔ اُس کے ساتھ شرک نہ کر بیٹھنا ورنہ زندگی تباہ ہوجائے گی بیشک وہی ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ

اے غافل دیکھ! یہ مَیں اور خود ستائشی چھوڑ۔ مردِ راہ بن اور دوسرے کا حق نہ مار۔ دنیاوی دولت کو عذاب سمجھ اور اسے غریبوں میں لٹا دے۔ اگر نہ لُٹایا تو قبر میں کیڑے بن کر تجھے یہی دولت کھا جائے گی۔ اگر غریبوں کو واپس کر دی تو تیری دوست بن جائے گی۔ گناہوں پر دن رات توبہ کر۔ اُستاد کے حق اور اُس کی تعظیم کا لحاظ رکھ۔ مخلوقِ خدا پر رحم کر۔ لقمہ حرام مت کھا۔ بے عزتی کی جگہ قدم نہ رکھ۔ اور عزت کروانے والے کے پاس بیٹھ۔

حضرت داتا گنج بخش رح

حضرت داتا گنج بخشؒ کی

لاہور میں آمد سے وفات تک اہم واقعات

حضرت داتا گنج بخشؒ کا لاہور میں ورود آپ کے پیرومرشد شیخ ابوالفضل ختلیؒ کی ایک اہم کرامت تھی۔ میں نے اس موضوع پر باب اوّل میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا مطلوب ہے کہ آپ کے پیر طریقت اُس زمانہ کے اولیاء اللہ سنّتِ رسول کے پیروکار شریعت کے شیدا اور طریقت کے پابند تھے۔ حضرت شیخ ابوالفضلؒ کو کشف ہُوا کہ لاہور میں مقیم آپ کے مرید حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کچھ عرصہ بعد اِس جہانِ فانی سے کوچ کرنے والے ہیں۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اُن کی جگہ حضرت داتا گنج بخشؒ کا انتخاب موزوں ہوگا۔ یہ وہ دور تھا جب لاہور کی سرزمین غازیانِ اسلام کے ولولہ انگیز نعروں اور شمشیرانِ حق کی جھنکاروں کو کئی مرتبہ سُن چکی تھی مگر اہل لاہور ابھی تک صحیح طریق سے دینِ اسلام کے نغمات سے بے بہرہ

تھے ظلمِ شب کا طلسم ٹوٹنے والا تھا اور صبح صادق کی نوید ملنے والی تھی کہ حضرت مخدوم علی ہجویری کا ورود لاہور میں ہوا۔

ایک ہی پیر و مرشد کے دو مریدوں نے لاہور شہر کے مشرق و مغرب میں اسلام کے پرچم لہرائے

اسلام کی تبلیغ اور فروغ کے لیے حضرت شیخ ابوالفضل ختلیؒ نے لاہور شہر کو خاص طور پر منتخب کیا اور یہ فضیلت صرف لاہور شہر کو ہی حاصل ہے کہ ایک ہی پیر و مرشد کے دو مریدوں نے اس شہر کے مشرق و مغرب میں اسلام کے پرچم لہرائے اور شمع توحید روشن کی۔ یہ دونوں مرید اپنے فرائض میں اس قدر کھو گئے کہ اپنے وطنِ عزیز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا اور ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لیے اپنی جانانِ عزیز اسی شہر میں خالقِ حقیقی کے سپرد کر دیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار لاہور کے مغرب میں بیرون بھاٹی دروازہ اور حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کا مزار لاہور کے

مشرق میں چاہ میراں کے قریب ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان دونوں اولیا اللہ کے مزاروں پر چلہ کشی کی

یہ فضیلت بھی لاہور شہر کو ہی حاصل ہے کہ ایک ہی پیر و مرشد کے مرید حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کے مزاروں پر پیرانِ پیر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چلہ کشی کی اور ان دونوں مزاروں کے احاطہ میں آپ کے حجرہ اعتکاف کا موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اولیائے کرام کی وفات کے بعد بھی عالی مرتب بزرگان دین اور عوام ان کے روحانی فیض سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں حلقہ بگوش اسلام ہونے والا پہلا ہندو جس کا نام رائے راجو تھا ایک راجپوت تھا۔ یہ کوئی معمولی غیر مسلم نہ تھا بلکہ لاہور کی راجدھانی کی ایک نہایت اہم سیاسی و کلیدی شخصیت تھی اور اس وقت لاہور کا ناظم لاہور

تھا۔ یہ وہی عہدہ تھا جس کو انگریز کے دور میں گورنر کا نام دیا گیا۔ رائے راجو کا اسلام قبول کرنا حضرت داتا گنج بخشؒ کی سب سے پہلی کرامت تھی کیونکہ تمام لاہور اور اس کے گرد و نواح میں اس کی شخصیت چھائی ہوئی تھی۔ رائے راجو سنیاسی یا جوگی ہونے کے علاوہ

حاکمِ وقت نے صاحبِ وقت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے
لاہور کا ہندو گورنر داتا صاحب کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا

علمِ نجوم۔ ریاضی اور جادوگری میں اپنی مثال آپ تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک خوبصورت اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کی لاہور آمد پر چند ہی روز میں ان کی روحانی قابلیت۔ اسلامی علوم۔ دین و فقہ۔ علم و فکر۔ فصاحت اور بلاغت کا دور دور تک چرچا ہو گیا۔ رائے راجو کو اپنے آپ پر گھمنڈ تھا اس لیے وہ اپنا ڈیرا جہاں جادوگری کے کرتب

دکھایا کرتا تھا اُٹھا کر حضرت داتا گنج بخشؒ کے مسکن کے قریب لے آیا۔ ایک روز ایک بُڑھیا دُودھ کی مٹکی اُٹھائے داتا صاحب کے قریب سے گزری تو آپ کے مریدوں میں سے ایک نے اس بُڑھیا کو روک کر دُودھ قیمتاً لینا چاہا لیکن بُڑھیا نے دُودھ دینے سے انکار کر دیا اور کہا یہ دُودھ میں رائے جوگی کے لیے لے جا رہی ہوں اگر میں نے اُس کو یہ دودھ نہ دیا تو میرے جانوروں کے تھنوں سے دُودھ کی بجائے خون آنا شروع ہو جائے گا پاس ہی بیٹھے حضرت داتا گنج بخشؒ مسکرائے اور فرمایا یہ دُودھ مجھے دے جاؤ اللہ تعالیٰ تمھارے جانوروں کے دُودھ میں اضافہ کر دے گا ضعیف عورت آپ کی بات کو ٹال نہ سکی اور دُودھ دے کر واپس چلی گئی۔ جب اس عورت نے اگلے وقت کا دُودھ دوھنا شروع کیا تو برکات الٰہی سے دُودھ میں پہلے سے زیادہ روانی تھی اور اس قدر دُودھ ہو گیا کہ گھر کے تمام برتن بھر گئے۔ اس واقعہ کی خبر آس پاس پھیل گئی اور سب گوالے اب اس کوشش میں تھے کہ وہ دُودھ حضرت داتا گنج بخشؒ

کے مسکن پر فروخت کر دیا کریں۔ اس سے رائے راجو کی شہرت ماند پڑ گئی۔ اب یہ شخص آپ کے پاس آیا اور اپنے جادوگری کے فن سے آپ کو متاثر کرنا چاہا اور یکایک اپنا منتر "یا شِو شمبھو ہو جا ہوا میں اُڑ نتو" بار بار دھرا کر ہوا میں اڑ کر چکر کاٹنے لگا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنا جوتا ہوا میں پھینک دیا۔ اب آپ کا جوتا تھا اور رائے راجو کا سر۔ جوتوں کی وہ بارش ہوئی کہ جوگی نے گڑگڑا کر فریاد کی کہ اُسے معاف کر دیا جائے حضرت داتا گنج بخشؒ نے دعا کی اور رائے راجو نے آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور فوری طور پر آپ کے ہاتھوں مُسلمان ہو گیا۔ داتا صاحب کی اس کرامت کے بعد ہزاروں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے علم و فضل کی دھوم برِّ صغیر میں دور دراز تک مچ گئی اور لوگوں نے سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے آپ کی زیارت کے لیے آنا شروع کر دیا۔

نومسلم رائے راجو کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے شیخ ہندی کا لقب کیوں دیا؟

سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اپنی کتاب "ملفوظات" میں جو فارسی میں ہے رائے راجو کی ذہانت بلاغت اور وسیع القلبی کو خوب سراہا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کا قرب حاصل کرنے میں اُس کی سعادت اور عقیدت کا زیادہ ہاتھ تھا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس شخص کی ظاہری و باطنی زندگی میں انقلاب آ گیا اور اسلامی علوم کے حصول کے لیے یہ شخص سرگرداں ہو گیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ جیسے مُرشد معظّم اور استاد مکرم سے دینی علوم میں فیض یاب ہُوا اور بہت جلد قرآن حکیم اور رموز شریعت سے بہرہ ور ہو کر ایک باعمل زاہد و عابد بزرگ کی شہرت حاصل کر لی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ آپ سے بہت خوش ہوئے اور آپ کو شیخ ہندی کے خطاب سے نوازا۔

حضرت داتا گنج بخش کی وفات کے بعد مسجد کی امامت شیخ ہندی نے سنبھال لی

وُہ مسجد جس کی تعمیر حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں ہوئی اور جہاں آپ امامت کرایا کرتے تھے آپ کی وفات کے بعد امامت کے فرائض حضرت شیخ ہندی نے سنبھال لیے ۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو شیخ ہندی کو اُس وقت حاصل ہُوا جب کہ وُہ اس اہم فریضہ کی بطریق احسن ادائیگی کے لیے اہالیان لاہور کی نظروں میں مستحق قرار دیئے گئے ۔

آپ نے اپنی بقایا زندگی درس قرآن اور حدیث کے علوم میں گزار دی ۔

حضرت شیخ ہندی نے اپنی زندگی میں یہ سعادت بھی حاصل کی کہ آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات کے بعد سب سے پہلے بذاتِ خود حضرت کے مزار کی تعمیر میں حصّہ لیا اور اردگرد چبوترہ بھی اُس وقت کے مطابق پختہ بنایا ۔ سب محققین اس

امر پہ متفق ہیں کہ حضرت شیخ ہندی پہلے شخص تھے جنھوں نے مزار مبارک کو اپنے ہاتھوں تعمیر کیا۔ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ مزار کی تعمیر کے دوران اکثر اشکبار دیکھے گئے اور اپنے آنسوؤں سے حضرت کے مزار کی مٹّی کو دھوکر سکون قلب حاصل کیا۔ یہ عقیدت ہی تو تھی جس کی وجہ سے پشت در پشت آپ کے خاندان کو حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کی سجادہ نشینی حاصل ہے۔

لاہور میں لوگوں نے کعبہ کو عین اپنی نظروں کے سامنے دیکھا اس کرامت کے ساتھ ہی حضرت داتا گنج بخشؒ روحانی عالم میں قطب اعظم (صاحبِ وقت) ہو گئے

حضرت داتا گنج بخشؒ دن کے وقت درسِ قرآن اور دینی علوم سے لوگوں کو مستفید فرماتے اور رات کے وقت طالبانِ حق کو ہدایات سے نوازا کرتے تھے۔ اس موضوع پر اس ناچیز نے باب "صوفی اور تصوّف" میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

دارا شکوہ نے اپنی کتاب "سفینۃ الاولیا" میں لکھا ہے کہ آپ نے جب یہ مسجد تعمیر فرمائی تو دیگر مساجد کی نسبت لوگوں کو اس مسجد کا رُخ جنوب کی جانب نظر آیا۔ اہلیان لاہور اور خصوصاً علما نے اس پر اعتراضات کیے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کچھ عرصہ خاموش رہے۔ مسجد کی تعمیر کے اختتام پر تمام علماء اور فضلا کو مدعو کیا جن میں مشائخ بھی شامل تھے۔ اسی مسجد میں اپنی امامت میں نماز پڑھائی اس کے بعد سب حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے تھے اب دیکھو کہ قبلہ کی صحیح سمت کون سی ہے لوگوں نے جب قبلہ کی جانب دیکھا تو یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا۔ علما کی نگاہوں سے سب پردے ہٹ گئے اور وہ کعبہ کو عین اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہوئے اپنے اعتراض پر بے حد نادم ہوئے۔ آپ کی اس کرامت سے آپ کی روحانیت کی دھوم دیگر ممالک تک بھی پھیل گئی اور آپ قطب الاقطاب کے بلند مرتبہ پر فائض ہو گئے۔ اب آپ صاحبِ وقت تھے اور روحانی عالم کے سربراہ۔

آپ کی یہ تعمیر کردہ مسجد صدیوں قائم رہی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں جب دریائے راوی میں زبردست سیلاب آیا تو شہر میں نشیبی علاقہ کی دیگر عمارتوں کی طرح مسجد کو بھی سخت نقصان پہنچا بعدازاں چوہدری غلام رسول نے مسجد قدیم کی جائے محراب کو سنگِ مرمر کی ایک سل کے ذریعہ سے قائم رکھتے ہوئے اس مسجد کو ازسرِ نو تعمیر کروایا۔ مورخین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اس مسجد کی تعمیر نو میں گلزار شاہ نامی ایک مخیر شخص نے بھی حصہ لیا اس مسجد کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلی یہی وسیع مسجد تھی جس کی بنیاد رکھنے کا شرف حضرت داتا گنج بخش رح کو نصیب ہوا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اولیائے مشائخ کے تذکروں میں اس مسجد کو کعبہ پنجاب و ہند کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک سابقہ جج جسٹس امیر علی نے ایک ایک کتاب زیر عنوان "ہائی سپائٹس آف پنجاب" لکھی ہے جس میں ایک واقعہ سے حضرت داتا گنج بخش رح کی بے نیازی۔ عجز و انکساری

اور ظاہری نمود و نمائش اور زیب و زینت سے حد درجہ نفرت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس دور میں اندرون بھاٹی دروازہ میں بلیشتر آبادی ہندوؤں کی تھی جو بھٹی کہلاتے تھے اور بھاٹی دروازہ کی وجہ تسمیہ بھی یہی تھی۔ مسلمان عقیدت مند جو داتا صاحب کی زیارت

داتا صاحب کے عقیدت مندوں نے بھاٹی دروازہ کا نام بدل کر آپ کے نام پر ہجویری دروازہ رکھ دیا مگر...

اور رشد و ہدایات کے لیے آتے تھے اُن کا اکثر گزر بھاٹی دروازہ سے ہی ہوتا تھا چونکہ داتا صاحب کا مسکن بھاٹی دروازہ کے باہر تھا اس لیے ازراہِ عقیدت لوگوں نے بھاٹی دروازہ کا نام بدل کر آپ کے نام پر ہجویری دروازہ رکھ دیا۔ بھٹی کہلانے والے ہندوؤں کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی۔ اُنھوں نے جے سنگھ کی قیادت میں ایک وفد حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاس بھیجا جس نے اُنھیں اپنے جذبات سے آگاہ کیا۔ آپ نے ہندوؤں کی شکایت

کو ٹھنڈے دل سے سُنا اور فیصلہ صادر فرمایا کہ اس دروازے کا نام بھاٹی دروازہ ہی رہے گا۔ ظاہری نمود و نمائش اور خود ستائش کو جب آپ نے ٹھوکر ماردی اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ظاہری زیب و زینت گوارہ نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اسی دنیاوی زیب و زینت کو پسند کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ اپنے صفائے باطن کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ آپ کے اس فیصلہ سے ہندو بھٹی اور ان کے وفد کا لیڈر اتنے متاثر ہوئے کہ اُنھوں نے داتا صاحب کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیا۔ اُس دن سے سب بھٹی مسلمان کہلانے لگے اور یہ وہی بھٹی مسلمان ہیں جو جذبۂ اسلام سے آج تک سرشار ہیں۔ اس واقعہ کی تصدیق دیگر مؤرخین نے بھی کی ہے جن میں مسعود الحسن بھی شامل ہیں۔ اُن کی کتاب "حضرت داتا گنج بخشؒ اے سپر چوئل بایوگرافی" میں یہ واقعہ بھی درج ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۴ ہجری میں جب لاہور پر حملہ کیا تو راجہ جے پال کا بیٹا راجہ انند پال صرف تھوڑے ہی مقابلہ کے بعد دُم دبا کر بھاگ نکلا۔ اب لاہور شہر پر محمود غزنوی

کا قبضہ ہو گیا۔ محمد لطیف مرحوم نے تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ جب محمود غزنوی نے ۱۰۴۰ ہجری میں لاہور پر قبضہ کر لیا تو اپنے محبوب ملازم ملک ایاز کو اس کے اصرار پر ایک محافظ دستہ

سلطان محمود غزنوی کے وفادار غلام ملک ایاز نے لاہور میں داتا صاحب سے ملاقات کے بعد اپنی ساری دولت حاجت مندوں میں تقسیم کر دی

فوج کے ہمراہ لاہور میں چھوڑ دیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ ملک ایاز کو بزرگانِ دین نے سلطان محمود غزنوی کی ذاتی حفاظت کے لیے معمور کیا ہوا تھا۔ روحانی عالم میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایک جرّی انسان غزنی سے اُٹھے گا اور ہندوستان میں کفار کے بُت پاش پاش کر کے مُسلمانوں کی عظمت اور شجاعت کا سکّہ ایسا جمائے گا کہ یہاں تھوڑے ہی عرصہ میں توحید اور وحدانیت کا بول بالا ہو جائے گا۔ اس پس منظر میں اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے

تو یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ جرّی اور بہادر لشکر میں کچھ ایسے بھی انسان ہوتے تھے جو صرف خدا اور اُس کے رسُول کی طرف راغب ہونے تھے ۔ ملک ایاز کا نام بھی ایسے بزرگانِ دین

چوک رنگ محل لاہور میں ملک ایاز کا مزار اُس کی عظمت اور بلندی کردار کی ایک عظیم یادگار ہے

میں شمار ہوتا ہے محمود غزنوی کو اس پیکرِ وفا کے ساتھ دلی لگاؤ تھا جب محمود غزنوی نے اپنا کام مکمّل کر لیا تو ملک ایاز نے کہا "میں غزنی نہیں جاؤں گا" کہتے ہیں کہ زندگی میں پہلی بار محمود غزنوی نے یہ انکار ایاز کی زبان سے سُنا۔ غلام کے سامنے آقا نے سرِ تسلیم کر دیا اور محمود غزنوی نے اُسے لاہور چھوڑ دیا۔

کافی سے زیادہ سونا۔ چاندی۔ ہیرے اور جواہرات اُس کے سپرد کر کے غزنی کا مسافر رخصت ہو گیا۔ اُسے کیا علم تھا کہ ایاز کا یہ انکار ایک نئے قدم کا اقرار تھا اور یہ نیا قدم اب تبلیغ اسلام

کی جانب تھا۔ ایاز نے اب صحبتِ فقرا اختیار کرلی۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود حکمران بنا مگر صرف چند ہی سال بعد راجہ جے پال کے بیٹے انند پال نے ایک زبردست حملہ کرکے مسعود سے حکمرانی چھین لی اور جوشِ انتقام میں اس راجہ نے لاہور میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا اور تاریخ شاہد ہے کہ صرف ایک ہی محلہ سے دو ہزار لاشیں اٹھائی گئیں۔ اور لاہور خالی ہو گیا۔ اس دور میں غزنی کا نیا مسافر لاہور میں وارد ہوا۔ فرق صرف یہ تھا کہ غزنی کا پہلا مسافر جذبہ شجاعت سے لبریز تھا اور نیا مسافر روحانیت اور خدا کی واحدانیت کا علمبردار غزنی کا یہ نیا مسافر حضرت مخدوم علی ہجویری تھا۔

ملک ایاز کو خواب میں حکم ملا کہ وہ فوری طور پر اب غزنی کے نئے مسافر کا غلام ہو جائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاس حاضری دی۔ اور بیعت کے بعد آپ کے ہاتھوں فقر و غنا کا جامہ پہن کر یہ فیصلہ کیا کہ اب وہ لاہور کو دوبارہ آباد کرے گا وہ مسلمان جو لاہور چھوڑ گئے تھے ملک ایاز کی قیادت میں

جوق در جوق واپس آنا شروع ہو گئے دیکھتے ہی دیکھتے لاہور دوبارہ آباد ہو گیا اور اللہ اکبر کی تکبیریں گلی گلی کوچے کوچے بلند ہونا شروع ہو گئیں محمود کے غلام نے اپنی دولت اور مال و متاع تمام حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔ ایاز پر یہ عیاں ہو گیا کہ اُس کا غزنی جانے سے انکار اور لاہور رہنے پر اصرار ایک حکم خداوندی تھا۔ آخر ۴۵۰ ہجری میں ملک ایاز نے وفات پائی۔ لاکھوں فرزندانِ توحید نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور اسلام کے اس عظیم فرزند کو لاہور میں چوک رنگ محل کے قریب سپردِ خاک کر دیا۔ لاہور شہر کے عین دل میں واقعہ یہ مزار اس غلام کی عظمت اور بلند کردار کی ایک ناقابلِ فراموش یادگار ہے۔

لاہور کا ایک تاجر کریم اللہ دولت کے حرص میں تباہ ہو گیا

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی مختصر تصنیف کشف الاسرار میں ایک نصیحت آموز واقعہ بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں:

"میں نے لاہور میں دیکھا اور خود سُنا کہ ایک تاجر کریم اللہ نامی تھا۔ اُس کے گھر میں سونا اور چاندی اناج کی طرح بھرا تھا۔ اُس کے ہاں بچّہ پیدا ہوا جس کا نام امام بخش رکھا گیا۔ خبر آئی کہ اُسی روز اُس کا مال چوروں نے راستہ میں لوٹ لیا۔ تاجر نے خبر سُنی اور پرواہ نہ کی۔ دوسرے روز زیادہ بُری خبر آئی۔ غرضیکہ ایک دو سال میں اُس کا مال واسباب برباد ہو گیا اور اب یہ تاجر کریم اللہ دولت کمانے کی حرص میں گھر سے نکل پڑا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر اُس کی بیوی نے چکّی اٹھائی اور چار دام میں بیچ دی۔ پھر یہ عورت اپنے خاوند کریم اللہ سے بگڑ گئی۔ لڑکا آوارہ ہو گیا۔ مسافر مفلس اور قلاش پردیس میں مر گیا۔ بے مروّت بیوی بھی چل بسی۔ غرض کہ دنیا خوشی کی جگہ نہیں بلکہ دردِ سر ہے۔ اگر وہ آدمی زندگی قناعت میں بسر کرتا تو خراب نہ ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی ایسی تھی خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے ہمیں دم مارنے کا ٹھکانہ نہیں۔ وہ آقا ہے ہم اُس کے بندے ہیں۔"

حضرت داتا گنج بخشؒ کے استفسار پر حضرت حسام الدّین لاہوریؒ کی وصیّت

لاہور میں ایک اور واقعہ آپ نے کشف الاسرار میں تحریر فرمایا ہے:

"میں نے وقت نزاع حسام الدین لاہوریؒ سے وصیّت چاہی۔ اُنھوں نے کہا اے ہجویری! آدمیوں کی ہر آن دلجوئی کرو۔ نیکی کرو۔ وُہی کر جس سے کوئی تجھ سے خوش ہو۔ کسی کا دِل نہ دکھا۔ خُدا کے سوا کسی کو دوست نہ رکھ۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا علم ضائع نہ کر۔ مال و دولت اور اولاد کو فتنہ سمجھ۔ دیکھو اب میری جان نکل رہی ہے اولاد میرے کام نہیں آرہی۔ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور ساتھ رہے گا۔ تجھے لازم ہے نیک رہے اور ماں باپ کی دلجوئی کرے۔ میں نے تاج الدین کو کہتے سُنا کہ بھنورا پھُول کے گرد خوشبو میں مست پھرا کرتا تھا اُسے

اس مٹی پر جہاں چنبیلی اُگی ہوئی تھی تڑپتا ہوا دیکھا۔ پُوچھا چنبیلی کو کیا ہُوا۔ کہا سُنا گیا ہے جل گئی ہے۔ اُسے کہا گیا کہ اے کچے عاشق کیا عشق اِسی کا نام ہے کہ تُو اُس کے بعد زندہ رہا اور اُس کے ساتھ ہی نہ جل مرا۔ بولا! یارو میں پردیس گیا تھا۔ میری عدم موجودگی میں چنبیلی برباد ہوئی میں چاہتا ہوں اُس کی جگہ نظر آئے مگر مجھے دکھائی نہیں دیتی۔ ناچار جس جگہ وہ اُگی تھی اور جہاں اُس کے نشان ہیں مَیں اُس مٹی کو تاج سمجھ کر سر پر ڈالتا ہوں۔ اس لیے اے دوست تجھے چاہیے کہ تو سچا عاشق ہو جائے اور اپنے پیرو مرشد کے قریب رہے۔ اُس کا دیدار کرتا رہے تاکہ حقیقت اور طریقت تک رسائی رہے۔"

گنج بخش رح کے معانی حضرت گنج بخش رح کی زبانی

"اے علی۔ تجھے خلقت گنج بخش کہتی ہے اور عجیب لطف ہے کہ تو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اِس بات کا کہ

مخلوق تجھے گنج بخش کہتی ہے کبھی خیال تک بھی نہ لا۔ ورنہ محض دعویٰ اور غرور ہو گا۔ گنج بخش یعنی خزانے بخشنے پر قادر تو صرف اُس کی ایک ذات ہے اور وہ بے شبہ و شک مالک الملک ہے۔ اُس کے ساتھ شرک نہ کر بیٹھنا ورنہ زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بے شک وہی ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔"

حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کے ان بصیرت افروز خیالات سے اُن کے فقر و فاقہ اور صفائی باطن کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لوگوں کو کھلّم کھلّا تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ اُنھیں گنج بخش نہ سمجھ لیں حالانکہ وہ اپنے پاس ایک دانہ تک نہیں رکھتے۔ وہ ظاہری نمود و نمائش اور زیب و زینت کے سخت مخالف تھے۔ آپ کی کتاب کشف الاسرار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ کو گنج بخش کہنا شروع کر دیا۔ اُنھوں نے اپنے عقیدت مندوں کو ایسے القاب استعمال کرنے سے منع کیا اور کہا کہ خزانہ بخشنے پر قادر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور پھر

خود کو بھی یہ کہہ کر جھنجھوڑا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کر بیٹھنا ورنہ زندگی تباہ ہو جائے گی۔ آیئے اب ذرا اپنے پاکستان پر نظر ڈالیں۔

جہاں ہمارے رہنماؤں نے عوام کو مادہ پرستی، شکم پرستی اور شخصیت پرستی کی طرف راغب کیا وہاں دوسری جانب اُنھوں نے عوام کو اسلام سے بیگانگی برتنے کے لچھن بھی رچائے اور ہم اس رو میں ایسے بہہ گئے کہ وطن عزیز دولخت ہو گیا۔ اور پھر باقی ماندہ پاکستان میں لوٹ کھسوٹ کا وہ بازار گرم ہوا کہ الاماں اب وقت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم فوری طور پر اپنی اسلامی روایات اور ہدایات پر لوٹ آئیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک باعمل مسلمان ہو جائیں تاکہ آئندہ کوئی لیٹرا ہم سے ہمارا روحانی سرمایہ چھیننے کی جسارت نہ کرے۔ مسلمان کی یہی تو ایک پونجی ہے۔ یہی تو ایک سرمایہ ہے اور یہی اُس کا سارا مال و متاع ہے تو یہ بھی کیوں اُس سے چھین لیا گیا؟

حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ کو آپ کی زندگی میں سب خاص و عام نے آپ کو "گنج بخشؒ" کیوں کہنا شروع کیا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیض حاصل ہوا۔ آپ سے علم و علوم کے چشمے پھوٹے۔ آپ نے لوگوں کو اُن کی مقصدِ حیات سے روشناس کرایا۔ آپ نے زندگی کے راز کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیئے۔ لوگوں کو روحانی زندگی سے متعارف کرایا۔ لاکھوں انسانوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ آپ کے ۳۴ سالہ قیام لاہور کے دوران تبلیغ اور فروغ اسلام کا فریضہ آپ کے ہاتھوں بام عروج پر پہنچ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ خاص و عام نے آپ کو گنج بخشؒ کہنا شروع کر دیا۔

گنج بخش کا لفظ جو آپ کے نام سے قبل لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے اُس کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کے مزار پر چلّہ کشی کے بعد روانگی کے لیے آپ سے اجازت طلب کی تو یک دم آپ کی زبان پر یہ شعر آ گیا اور اُسی وقت سے گنج بخش کا لفظ مقبولِ عام ہو گیا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خُدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

مشکل میں والدین کی قبر پر جا کر دُعا مانگنے سے مشکل حل ہو جاتی ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت خضر علیہ السلام اولیاء اللہ کے دوست ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ اولیاء اللہ کو مشاہدہ ربّانی ہوتا ہے۔ رشتہ داروں سے نیک سلوک تجھ پر واجب ہے ماں باپ کو اپنا قبلہ و کعبہ سمجھ۔ حضرت حسام الدین لاہوری کی صحبت کے آپ بہت خواہاں تھے اور اُن کو آپ بڑی تکریم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حسام الدین لاہوری سے سُنا ہے کہ اگر آدمی والدین کی قبر پر جا کر سجدہ کرے تو کُفر لازم نہیں آتا۔ کوئی مشکل درپیش ہو تو والدین کی قبر پر جا کر دعا کر اس سے مشکل حل ہو جائے گی۔ حسام الدین لاہوری کہتے ہیں کہ نفس کافر ہے جس پر فتح خدائی بذریعہ خاموشی۔ بھوک پیاس تنہائی اور خدا کی یاد میں مصرف رہنے سے ممکن ہے۔

میرے والد بزرگوار نے لقمان حکیم کی آٹھ باتیں بتلائی ہیں وہ میں تمھیں بتلائے دیتا ہوں

حضرت داتا گنج بخش

آپ کی کتاب کشف الاسرار میں درج ہے کہ آپ طالبانِ حق کی ایک مجلس کی صدارت فرما رہے تھے اور بہت سے بزرگان دین جو شاملِ مجلس تھے تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ اُن سے کچھ لوگ اپنی ولایت چھوڑ کر اس مجلس میں شریک تھے۔ عین ممکن تھا کہ وہ اپنی ولایت سے خارج کر دیئے جاتے کیونکہ اُن کے فرائض میں کوتاہی کا امکان تھا۔ آپ نے فرمایا طالبِ حق کے لیے ضروری ہے کہ غرور تکبر اور خود پسندی سے پرہیز کرے اور لاہور شہر سے باہر اپنی ولایت میں رہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ لقمان حکیم سے منقول ہے کہ میں نے چار سو پیغمبروں کی خدمت کی اور اُن سے آٹھ ہزار باتیں سیکھیں جن میں سے آٹھ انتخاب ہیں اور جن پر عمل کرنے سے خدا شناسی حاصل ہو جاتی ہے۔

وہ یہ ہیں:

۱۔ نماز میں دل کا قابو رکھنا۔ ۲۔ جماعت کا ساتھ دینا۔
۳۔ غیر کے گھر میں آنکھ کو محفوظ رکھنا۔
۴۔ لوگوں میں زبان کو محفوظ رکھنا۔
۵۔ خدائے بزرگ و برتر کو نہ بھولنا۔ ۶۔ موت کو یاد رکھنا۔
۷۔ نیکی کر کے نہ جتلانا۔ ۸۔ دوسروں کی بُرائی بھول جانا۔

حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا:

''عزیزو! ان باتوں کو یاد رکھو۔ ان پر عمل کرو۔ یہ باتیں میں نے والد بزرگوار سے سُنی تھیں وہ تمھیں بتلا دی ہیں۔

لاہور کے دس جاہل پیر تائب ہو گئے

حضرت داتا گنج بخش ؒ کی تعلیمات اور ہدایات نے عوام کے دلوں میں گہرے نقوش چھوڑے۔ اب سادہ لوح مُسلمان جاہل پیروں اور صوفیوں سے احتراز کرنے لگے۔ دوسری جانب جاہل صوفی جن کا کام صرف پیری مریدی تھا آپ کے خلوص

اور علم و بصیرت کے باعث خائف ہو گئے۔ اِن جعلی پیروں کا کاروبار ماند پڑ گیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لاہور کے ایسے دس جعلی پیروں نے فیصلہ کیا کہ وہ آپ کے پاس جا کر آپؒ کو آزمائش میں ڈالیں گے اور ایسے سوالات کریں گے جن کے جوابات داتا صاحب کے پاس نہ ہوں گے۔ جب یہ جہلا آپ کے پاس آئے تو آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے غافل دیکھ یہ مَیں اور خودستائشی چھوڑ۔ مردِ راہ بن اور دوسرے کا حق نہ مار۔ دولتِ دنیا کو عذاب سمجھ اور اُسے غریبوں میں لُٹا دے۔ اگر نہ لُٹایا تو قبر میں کیڑے بن کر تجھے بھی دولت کھائے گی اور یہ دولت اگر تم نے غریبوں کو واپس کر دی تو تیری دوست بن جائیگی تیرے ہاتھ پاؤں تیرے دُشمن ہیں۔ جب مر جائے گا تو تیرے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں گواہی دیں گے کہ بُری جگہ گئے تھے۔ بُری نگاہ ڈالی تھی۔ دوسرے کی چیز اُٹھائی تھی۔ بس کسی چیز کی خواہش نہ کر۔ گناہوں پر دن رات

توبہ کر۔ اُستاد کے حق اور اُس کی تعظیم کا لحاظ رکھ مخلوقِ خُدا پر رحم کر۔ لقمہ حرام مت کھا۔ بے عزّتی کی جگہ قدم نہ رکھ اور عزّت کرنے والے کے پاس بیٹھ۔"

اے غافل ! یاد رکھ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں

یہ دس جاہل پیر حیرت میں بہت شرمسار ہو رہے تھے آپ نے ایک بار پھر اُن کو مخاطب کر کے کہا کہ یاد رکھ! دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ توبہ گناہ کو۔ جھوٹ رزق کو۔ چغلی عمل کو۔ غم عُمر کو۔ صدقہ بلا کو۔ غصہ عقل کو۔ پشیمانی سخاوت کو۔ تکبّر علم کو۔ نیکی بدی کو۔ ظُلم عدل کو۔

آپ نے ان باتوں کو پھر دُہرایا اور اُن سے کہا کہ وہ آپ کے حق میں دعا کریں۔ خدا کو پہچانیں اور غیر پر نگاہ نہ کریں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے بصیرت افروز خیالات سُن کر لاہور شہر

کے دس جاہل پیروں نے اعتراف کیا کہ وہ گمراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو آپ کی معرفت نیک راہ پر ڈال دیا ہے۔ اُنھوں نے توبہ کی اور حضرت داتا گنج بخشؒ سے درخواست کی کہ آپ اُن کے افعال پر خاص توجہ رکھیں تاکہ ہمیشہ کے لیے گمراہی کے راستہ سے اللہ تعالیٰ اُنھیں محفوظ رکھے۔

باب سوم

تصوّف اور صوفی

• حضرت داتا گنج بخش ؒ نے یہ موجودہ جگہ جہاں مسجد، صحن اور مزار ہے چالیس روپوں میں خرید کر یہاں سب سے پہلے تصوّف کا مرکز قائم کیا۔ تصوّف کے اس مدرسہ سے اُن کا مقصد بزرگانِ دین سے مجالس کرنا تھا اس مرکز میں روحانی عالم کے بڑے بڑے علماء، مشائخ اور طالب حق دیکھے گئے۔ ان مشائخ کا کام فروغِ اسلام کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ کئی مرتبہ دیکھنے میں آیا کہ اس مرکز میں راہِ حق کے سرِ لشکر آپ سے رشد و ہدایات حاصل کرتے اور پھر اپنی اپنی ولایت کو لوٹ جاتے۔

میں علی بن عثمان جلابیؒ ہوں ۔ مجھے عجیب و غریب باتیں معلوم ہیں ۔ میں سوائے محبوب کے کسی سے پیار نہیں کرتا اور اُسی کے دیدار کے سوا مجھے اور کوئی کام نہیں ۔ اُس کے نام کے علاوہ میرا کوئی ورد و وظیفہ نہیں ۔ میں اُس کے چاند سے جادو والے چہرے کو کبھی اُس کے رُخساروں کو دیکھتا ہوں کبھی اُس کی خاکِ راہ کو حقیقت بین آنکھوں کے لیے سُرمہ کرتا ہوں ۔ اُس کے نقشِ پا کو بدر سمجھتا ہوں اور اُس کے دانتوں کی لڑی پر جان نثار کرتا ہوں ۔ اُس کے سرو رفتار سے فکر روشن کرتا ہوں رات بھر اُس کے عشق کی غمخواری ہے اور دن بھر محنت و زاری ۔ میں نے دل کو یوں اُس پر قربان کیا کہ بالکل بدل گیا ہوں ۔ کپڑے پھاڑ کر عُریاں ہو گیا ۔ میں خطا کار فقیر اور گناہ گار حقیر ہوں جس نے دل خدا اور اُس کے رسُول کی یاد میں ہار دیا ہے ۔ سوائے محبّت کے کوئی کام نہیں ۔ میں دنیا کو ناپاک سمجھتا ہوں اور اُسے سرائے گنتا ہوں جس میں مسافر آرام کرتے ہیں ۔ میں کبھی آسمان پر ہوتا ہوں کبھی زمین پر ۔ میں نے اپنے آپ کو خاک کر لیا ہے ۔

حضرت داتا گنج بخشؒ

ایک نوجوان حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاس آیا اور اس نے اپنے دشمن کے متعلق اُس کے جور و ستم کا تذکرہ کیا اور اپنی بے بسی کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ داتا صاحب اُن کی رہنمائی فرماویں۔ سیّد مخدوم علی ہجویریؒ نے نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوّتِ خوابیدہ بیدار شو

ترجمہ: اے نوجوان! تُو دشمن کے خوف سے بے نیاز ہو جا۔ تُو تو سوئی ہوئی طاقت ہے تجھے بیدار ہونا چاہیئے۔

راست می گویم عدو ہم یارِ تُست
ہستیٔ اُو رونقِ بازارِ تُست

ترجمہ: مَیں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ دُشمن بھی درحقیقت تیرا دوست ہے اور اُس کے وجود سے تیرے بازار کی رونق قائم ہے۔

ہر کہ دانائے مقامِ خودی است
فضلِ حق داند گر دشمن قوی است

ترجمہ: وہ شخص جو مقاماتِ خودی سے آگاہ ہے طاقتور دشمن کو اللہ کی رحمت تصوّر کرتا ہے۔

تصوّف اور صُوفی

تصوّف اِنسان کی ایک مخصوص اُمنگ کا نام ہے جب وہ اپنے حقیقی مقصدِ حیات کو دریافت کرنا چاہتا ہے اِس عمل میں قدرتی طور پر اُس کے ذہن میں کچھ سوال اُبھرتے ہیں ۔ خداوند تعالیٰ نے میری تخلیق کیوں کی ؟ میں کون ہوں ؟ میں کس لیے اِس دُنیا میں آیا ہوں ؟ سراغِ زندگی کی اس لگن میں وہ گُم ہو جاتا ہے ۔ آہستہ آہستہ اُس کے اندر خودی بیدار ہو کر قلب کو روشن کرنا شروع کر دیتی ہے ۔ قلب کی اس روشنی میں دل کی خواہشات جو بسا اوقات گمراہ کن ہوتی ہیں گُم ہو جاتی ہیں ۔ قلب کی یہ صفائی انسان کو وسیع تر مقاصد کی طرف لے جاتی ہے ۔ اور یقیناً کافی جدوجہد کے بعد اس کی ظاہری و باطنی زندگی میں کوئی تضاد نہیں رہتا ۔

اسلام میں تصوّف کی ابتدا کس نے کی یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر محققین نے بہت دلچسپ اور بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تاہم سب متفق ہیں کہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تصوّف کی ابتدا غارِ حرا سے کی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں آپؐ نے تصوّف کا بیج بویا۔ جہاں آپؐ نے فقر و غنا کی تمام منازل طے کیں۔ جہاں آپؐ صبح و شام دن اور رات صرف اللہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف راغب رہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں آپؐ پر سب سے پہلے وحی نازل ہوئی اور خداوند تعالیٰ نے آپؐ کو نبوّت سے نوازا اور پھر خدا کے پیغمبر ہونے کی حیثیت سے آپؐ نے تمام عالم کو منوّر کیا۔

طریقت میں پہنچ کر شریعت کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور انسان فنا فی الشیخ، فنا فی الرّسول اور فنا فی اللہ کی منزل میں پہنچ جاتا ہے

اسلامی علوم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی

ظاہری علوم سے مراد شریعت ہے جو عوام کے لیے ہے اور باطنی علوم وہ ہیں جو رسول اللہؐ نے اپنے چند اصحاب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوذرؓ کو خاص طور پر عطا کیے۔ یہ ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصریؒ فیضیاب ہوئے۔ صوفیا کے نزدیک تصوّف کے چار درجے ہیں۔ ۱۔ شریعت۔ ۲۔ طریقت۔ ۳۔ حقیقت۔ ۴۔ معرفت۔ بعض کے نزدیک طریقت میں پہنچ کر شریعت کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور انسان فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول کی منزلوں سے گزر کر فنا فی اللہ کی منزل میں پہنچ جاتا ہے۔

سب سے پہلے صوفی کا لقب اختیار کرنے والا کون تھا؟

بعض محققین کے مطابق تصوّف کی اصطلاح دوسری صدی ہجری میں بغداد والوں نے ایجاد کی۔ امام قشیری کے مطابق

یہ لفظ دوسری صدی ہجری میں رائج ہو چکا تھا۔ کشف الظنون کے مطابق ابی اشام کوفی نے ۱۵۰ ہجری میں سب سے پہلے یہ لقب اختیار کیا۔ شیخ ابو النصر سریع المتوفی نے ۳۷۸ھ میں اپنی تصنیف "کتاب اللمع" میں لکھا ہے کہ یہ لفظ حسن بصری کے زمانے میں رائج تھا۔ ابو القاسم قشیری کے بیان کے مطابق جب مسلمانوں کی حکومت دور دراز ملکوں تک پھیل گئی اور اسلام میں ملوکیت کا آغاز ہوا تو مسلمانوں میں خود بخود دو گروہ بن گئے ایک برسرِ اقتدار طبقہ اور دوسرا زہد و عباد کا گروہ ابتدائے اسلام میں "فقر و جہاد" یکجا تھے مگر دورِ ملوکیت میں جہاد کی جگہ عیش و عشرت نے لے لی اور فقر صرف زہد اور عباد کے حصّہ میں آیا اور وہ گوشہ نشین ہو کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے

تصوّف پر کتابیں تو بے شمار لکھی گئی ہیں مگر سب سے اہم اور مستند تصانیف شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی "غنیۃ الطالبین" حضرت داتا گنج بخشؒ کی "کشف المحجوب" اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی "عوارف المعارف" ہیں۔

تعمیر و تخلیق بغیر ہوش و ہواس کے ناممکن ہے
حضرت داتا گنج بخشؒ

حضرت داتا گنج بخشؒ "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں "جب اہلِ تصوّف اپنے معاملات اور اپنے اخلاق و خیالات کو مہذب بناتے اور صفائیٔ قلب حاصل کرنے اور طبیعت کی آفتوں اور دل کی خواہشوں سے کنارہ کشی کرتے اور کثافت اور کدورت سے دل صاف کرتے ہیں تو "صوفی" کہلاتے ہیں۔ تصوّف میں حضرت داتا گنج بخشؒ مستی اور مدہوشی کے قائل نہیں ہیں بلکہ ہوش و حواس میں تعمیر و تخلیق کے قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں تصوّف کی دو مشہور اصطلاحات "سکر" اور "صحو" ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ "سکر" کو اور حضرت جنید بغدادیؒ "صحو" کو اہم تصوّر کرتے ہیں۔ "سکر" سے مراد غلبہ مدہوشی اور جذب و مستی ہے اور ہر چند کہ یہ غلبہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے لیکن اس میں شریعت کی پابندی میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ "صحو" سے مراد یہ ہے کہ ہوش و حواس کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی

محبّت سے مقصود حاصل کیا جائے۔ حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کے نزدیک تعمیر و تخلیق بغیر ہوش و ہواس کے ناممکن ہے۔ اس لیے صحوؔ کو سکرؔ پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"میں علی بن عثمان جلّابیؒ اپنے شیخ کے مطابق کہتا ہوں کہ صاحب 'سکر' کا کمال 'محو' میں ہوتا ہے اور 'صحو' میں کمتر درجہ بشریت کے دور ہونے کو دیکھ لینا ہے پس وہ 'صحو' جو خرابی ظاہر کرے اُس 'سکر' سے بہر حال بہتر ہے جو عین خرابی ہے۔"

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مطابق فقیر کی ایک رسم ہے اور ایک حقیقت۔ رسم سے مراد ظاہری علامت اور وہ ہے مفلسی و بے کسی۔ حقیقت سے مراد ذاتِ حق کی توجّہ اور اُس کی معرفت۔ آپ فرماتے ہیں:

"جو شخص مجاہدہ میں اپنے سر کی آنکھ کو خواہشوں سے روک دے وہ باطن کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو ضرور دیکھ لیتا ہے۔ جو مجاہدہ میں زیادہ مخلص ہو وہ مشاہدہ میں زیادہ سچّا ہوتا ہے۔"

حضرت شبلیؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے راہِ حق کے غلبہ میں
ﷲ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کو نہیں دیکھا۔ اسی طرح حضرت
مد بن واسعؒ نے فرمایا کہ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر پورے
مدق کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور یہی حق تعالیٰ کا
یدار ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف الاسرار میں اس موضوع پر
پنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

"میں علی بن عثمان جلّابی ہوں۔ مجھے عجیب وغریب
باتیں معلوم ہیں۔ میں سوائے محبوب کے کسی سے
پیار نہیں کرتا اور اُسی کے دیدار کے سوا مجھے اور
کوئی کام نہیں۔ اُس کے نام کے علاوہ میرا کوئی ورد
وظیفہ نہیں۔ میں اُس کے چاند سے جادو والے چہرے
کو کبھی اُس کے رُخساروں کو دیکھتا ہوں۔ کبھی اُس کی
خاکِ راہ کو حقیقت بین آنکھوں کے لیے سُرمہ کرتا ہوں
اُس کے نقشِ پا کو بدر سمجھتا ہوں اور اس کے دانتوں

کی لڑی پر جان نثار کرتا ہوں اُس کے سرو رفتار سے فکر روشن کرتا ہوں۔ رات بھر اُس کے عشق کی غمخواری ہے اور دن بھر محنت وزاری۔ مَیں نے دل کو یوں اُس پر قربان کیا کہ بالکل بدل گیا ہوں۔ کپڑے پھاڑ کر عُریاں ہو گیا۔ مَیں خطا کار فقیر اور گنہگار حقیر ہوں جس نے دل خدا اور اُس کے رسول کی یاد میں ہار دیا ہے۔ سوائے محبّت کے کوئی کام نہیں۔ میں دُنیا کو ناپاک سمجھتا ہوں اور اُسے سرائے کہتا ہوں جس میں مسافر آرام کرتے ہیں۔ میں کبھی آسمان پر ہوتا ہوں کبھی زمین پر۔ مَیں نے اپنے آپ کو خاک کر لیا ہے۔"

آپ کے ان ارشادات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے تصوّف میں اُس مقام پر رسائی حاصل کر لی جہاں اولیائے اکرام کی انتہا ہوتی ہے۔

برّصغیر میں سب سے پہلا تصوّف کا مرکز حضرت داتا گنج بخش رحؒ نے لاہور میں قائم کیا

حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے اپنی کتاب "ملفوضات" جو فارسی میں ہے انکشاف کیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ موجودہ جگہ جہاں مسجد صحن اور اُن کا مزار ہے چالیس روپوں میں خرید کر یہاں سب سے پہلے تصوّف کا مرکز قائم کیا۔ تصوّف کے اس مدرسہ کے قیام سے اُن کا مقصد بزرگانِ دین سے مجالس کرنا تھا۔ تبلیغ اور فروغِ اسلام کے بارے میں مربوط پروگرام حضرت داتا گنج بخشؒ کی رہنمائی میں تیار ہوتے۔ اس مرکز میں روحانی عالم کے بڑے بڑے مشائخ اور طالب حق دیکھے گئے۔ کئی مرتبہ دیکھنے میں آیا کہ اس مرکز میں راہ حق کے سرلشکر آپ سے رشد وہدایت حاصل کرتے اور پھر اپنی ولایت کو لوٹ جاتے۔ لاہور میں وفات سے چند روز قبل آپ نے روحانی نظام کے اولیاء کرام اخیار۔ ابدال۔ ابرار۔ اوتاد اور نقیب سے آخری ملاقات کی

سُنا گیا کہ اس ملاقات میں آپ نے ان اولیاء کرام کی کرامات کا جائزہ لیا اور ان کو مزید ہدایات دے کر جو چراغِ راہ تھیں نقاو عدہ ادب و آداب کے ساتھ رخصت کیا۔

تصوّف قرآن کی نظر میں

بیشتر علماء اور محققین نے تصوّف کے موضوع پر قران حکیم کی رُو سے تحقیق کی ہے۔ سیّد احمد جعفری ندوی نے ' انوار اولیاء ' (کامل) کے زیرِ عنوان جو کتاب لکھی ہے۔ قرآن حکیم کی آیات سے تصوّف کی حقیقت کو ثابت کیا ہے۔ ان آیات کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔

۱۔ سورۂ اعراف آیت ۲۰۵ قرآن میں حکم ان الفاظ میں ہے

" اپنے رب کی یاد کر۔ اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ
اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام
اور اہلِ غفلت میں شمار مت ہونا "

۲۔ سورہ بقرآیت ۱۵۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرا شکر کرو اور
اور کفر نہ کرو۔"

۳۔ سورہ احزاب آیت ۴۱۔۴۳ میں ارشاد خداوندی یہ ہے:

"اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔
اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔
وہ ایسا ہے کہ وہ اور اُس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے
رہتے ہیں۔ تاکہ تم کو تاریکی سے نور کی طرف لے آئے اور
اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔"

۴۔ ان آیات کے علاوہ مندرجہ ذیل اکتسابات قرآن حکیم سے لیے گئے ہیں جو تصوّف سے انسان کو روشناس کراتے ہیں۔ تمام صوفیائے کرام ان آیات پر تصوّف کی بنیاد رکھتے ہیں۔

۱۔ اپنے ربّ سے طلب مغفرت کرو اور اُسی سے توبہ کرو۔

۲۔ اللہ سے توبہ کرو۔ اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

۳۔ اے ایمان والو صبر سیکھو۔ صبر کرو۔ اللہ سے رشتہ استوار کرو۔

۴۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیتا ہے۔

۵۔ جو شخص صبر کرے اور توبہ کرے تو بیشک یہ عزم امور ہے

۶۔ ہم تمہیں آزمائش کریں گے یہاں تک جان لیں کہ تم میں مجاہدین اور صابرین کون ہیں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو جو زندہ اور جسے موت نہیں آسکتی او وہ اللہ ہی ہے جس پر ایمان والے توکّل کرتے ہیں۔

۸۔ جب ارادہ کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔

۹۔ اور اللہ ہی ہے جس پر ایمان والے توکّل کرتے ہیں۔

۱۰۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں لیل و نہار کے اختلاف میں صاحب عقل کے ہاں نشانیاں ہیں۔

۱۱۔ اللہ کے نام کا ذکر کرو۔

۱۲۔ اپنے ربّ کی اُس وقت تک یاد کرو جب تک موت نہ آجائے

۱۳۔ جان لو دنیا کی زندگی لہو لعب ہے۔

۱۴۔ حیات دنیاوی لی متاع فریب کے سوا کچھ نہیں۔

۱۵۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچّا ہے ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تمہیں فریب میں مبتلا کر دے۔

صُوفی ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے جلوے کے سوا اُسے اور کچھ نظر نہیں آتا

جماعت صوفیا کے نزدیک مشاہدہ سے مراد ذاتِ الٰہی کو چشمِ بصیرت سے دیکھنا ہے یعنی وہ دل سے خداوند تعالیٰ کو خلوت و جلوت میں بے کیف دیکھتے ہیں۔ جو شخص مجاہدہ میں رہتا ہے اور اپنی ظاہری آنکھوں کو محرمات سے بچائے رکھتا ہے وہ ضرور حق تعالیٰ کے جمال اور تجلّیات کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور یہ تکرار مجاہدہ کی وجہ سے وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے جلوے کے سوا اُسے کچھ نظر نہیں آتا۔

تصوّف میں حضرت داتا گنج بخشؒ کو غیر ملکی ادیبوں کا خراجِ عقیدت

تصوّف سے متعلّق جو قرآن حکیم کی متعلّقہ آیات بیان کی

گئی ہیں اُن پر حضرت داتا گنج بخشؒ نے پوری عقیدت سے عمل کیا کیونکہ ایک صوفی باعمل کا عامل ہونا اور عالم باعمل کا صوفی ہونا لازم و ملزوم ہیں اور آپ ان دونوں مراتب پر فائز نظر آتے ہیں اسلامی تصوّف اور صوفیاءِ کرام کے بارے میں غیر ملکی ادیبوں نے بھی خوب تحقیق کی ہے اور ہر ایک نے اپنی اپنی تصانیف میں سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کو تصوّف میں ایک بلند مقام دیا ہے اور اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ آپ کو تصوّف پر مکمّل عبور حاصل ہے۔ آر۔ اے۔ نکلسن جس نے کشف المحجوب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے صفحہ ۲۰ پر اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ مصنّف کی کتاب کشف المحجوب اس امر کی شاہد ہے کہ یہ ایک عالم کا بیان ہے جسے تصوّف کے موضوع پر بھی عبور حاصل ہے اور جو عالم اور صوفی ہونے کے علاوہ ایک صاحبِ طرز ادیب بھی ہے۔

روس کے زوکوفسکی نے کشف المحجوب جو حضرت داتا گنج بخشؒ نے فارسی میں لکھی ہے اس کا ترجمہ اپنی اُس فارسی زبان میں کیا

ہے جو آج کل سمرقند، بخارا اور تاشقند میں بولی جاتی ہے اور ایک تبصرہ بھی شائع کیا ہے اُس نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے تصورات غیر معمولی ہی نہیں بلکہ مسلّم و مستند ہیں اور آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی کے علاوہ خصوصاً صوفیاءِ اکرام کے کلمات و اقوال کا ذکر اکثر کشف المحجوب میں بہت خوش اسلوبی سے نظر آتا ہے اور حکایات بھی اُنھوں نے وہی بیان کی ہیں جو معتبر اور مستند قرار پا چکی ہیں۔ اسی طرح فرانس کے برک ہارڈ اور انگلستان کے اے۔ آر۔ جی آربری نے تصوّف کے موضوع پر جو تبصرے کیے ہیں اُنھوں نے اکثر سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کشف المحجوب کا سہارا لے کر اپنی تحریروں کو تقویت دی ہے۔ اس کے علاوہ سپنسر ٹرمنگھم نے اپنی کتاب "صوفی آڈران اسلام" میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کھُل کر کیا ہے کہ جب انسان کا تعلق براہِ راست خدا سے ہو جاتا ہے تو انسان اور خدا کے درمیان اس منزل میں بقاعدہ پہلے ریاضتیں ہوتی ہیں اور ان کی بطریقہ

احسن تکمیل پر مشاہدہ ہو جاتا ہے جو بالکل حضرت داتا گنج بخشؒ کی نہ صرف تقلید ہے بلکہ عقیدت مندی کا اظہار ہے۔

انگلستان کے مارگریٹ سمتھ نے بھی اپنی تصنیف "صوفی پاتھ آف لو" میں سید مخدوم علی ہجویریؒ کی کتاب کشف المحجوب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ تصوف میں ان کا مقام ارفع ہے اور بیان نہایت لطیف اور حسین ہے جو انسان کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے اور پھر نیکی کی راہ پر ڈالتا ہے۔

عربی زبان میں تصوف پر کتاب جو ابو بکر الکلابی نے لکھی ہے اور جس کا انگریزی میں ترجمہ اے۔ جی۔ آر بری نے زیر عنوان "دی ڈاکٹرین آف دی صوفیز" کیا ہے۔ صوفیوں کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"صوفیوں کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اُن کے دل صاف ہوتے ہیں اور اُن کے اعمال شفاف۔ بشر بن الحارث نے کہا۔ صوفی وہ ہے جس کا دل خدا کی جانب مخلصانہ طور پر راغب ہے اور جس کا ایمان خدا کی

عنایات پر محکم ہے۔ کچھ اور ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ صوفی اس لیے کہلاتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے حضور صفِ اوّل میں ہیں اور اُن کی تمام خواہشات اور اعمال صرف خدا کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ اور ہیں جو کہتے ہیں صوفی وہ ہیں جن کی صفات صحابہؓ اکرام سے مشابہت رکھتی ہیں جب کہ دیگر کا خیال ہے کہ صوفی وہ ہیں جو صوف کا لبادہ پہنتے ہیں۔"

مصنّف نے آگے چل کر اعتراف کیا ہے کہ تصوّف اور صوفی سے متعلّق جو معانی حضرت سیّد مخدوم علی ہجویری نے دیے ہیں وہ نہ صرف جامع ہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتے ہیں۔

مجاہدے اور ریاضتیں جدوجہد کی تلقین

حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ نے انسان کو مشکلات اور دشواریوں سے کامیابی کے ساتھ گذر جانے کے ساتھ بہت تلقین

کی ہے۔ وہ اپنے عقیدت مندوں کو نہ صرف حصولِ علم بلکہ اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے سختی سے تلقین کرتے ہیں۔ وہ ہمت حوصلہ اور عزم کو مشعلِ راہ سمجھتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مصیبتوں کی راہ سے گریز کرنے کی بجائے اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ دراصل تصوّف کی ابتداء انھیں مراحل سے کامیابی اور کامرانی سے گزر کر حاصل ہوتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ کے ان خیالات کی ترجمانی مثنوی اسرار و رموز میں اس واقعہ سے ہوتی ہے جو شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال ؒ نے لکھی ہے؛

اے نوجوان! تو ایک سوئی ہوئی طاقت ہے تجھے بیدار ہونا چاہیئے
اے نوجوان! دشمن کے وجود سے تیرے بازار کی رونق ہے
اے نوجوان! طاقتور دشمن کو اللہ کی رحمت سمجھ یہی آگاہ مقام خودی ہے

آپ نے لکھا ہے کہ ایک نوجوان آپ کے پاس آیا اور اُس نے اپنے دشمن کے متعلق اُس کے جور و ستم کا تذکرہ کیا اور اپنی بے بسی کا

اظہار کیا اور درخواست کی کہ اس معاملہ میں داتا صاحب اُن کی رہنمائی فرمائیں۔ سیّد مخدوم علی ہجویریؒ نے فرمایا:

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوّتِ خوابیدہ بیدار شو

ترجمہ: اے نوجوان تُو دشمنوں کے خوف سے بے نیاز ہو جا۔ تُو تو ایک سوئی ہوئی طاقت ہے۔

راست می گویم عدو ہم یار تُست
ہستی اُو رونق بازار تُست

ترجمہ: میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ دُشمن بھی درحقیقت تیرا دوست ہے اور اُس کے وجود سے تیرے بازار کی رونق قائم ہے۔

ہر کہ دانائے مقامات خودی است
فضلِ حق داند گر دُشمن قوی است

ترجمہ: وُہ شخص جو مقامات خودی سے آگاہ ہے طاقتور دُشمن کو اپنے لیے اللہ کی رحمت تصوّر کرتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کی نظم داتا گنج بخش کے روحانی کمالات کی آئینہ دار ہے

حکیم الامّت علامہ اقبالؒ کی فارسی مثنوی نہ صرف تصوّف اور معرفت کے روح پرور اور وجد آفرین حقائق سے معمور ہے بلکہ اُس میں جدّوجہد عزم و استقلال ایسی صفات کا درس بھی نہایت مؤثّر صورت میں موجود ہے۔ اس مثنوی کی نظم زیرِ عنوان "حکایتِ نوجوان از مرو کہ پیش حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ آمدہ از ستمِ اعدا فریاد کرد" حضرت داتا گنج بخشؒ کے روحانی و باطنی کمالات کی آئینہ دار ہے۔ اس نظم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اتنے بڑے صوفی عابد و ذاکر جب کارزارِ ہستی کے متعلق جدّوجہد رزم و پیکار اور عزم و استقلال کا درس دیتے ہیں تو فطرت کے کس قدر ازلی و ابدی حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر تلقین و تادیب فرماتے ہیں۔ اس درس کا ہر لفظ صداقت سے لبریز ہے۔ اس نظم کا تعمیری اور اصلاحی عناصر قابلِ ستائش ہے۔

انسان کے اصلی جوہر اُسی وقت کھلتے ہیں اور سوئی ہوئی صلاحیتیں اُسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب طاقتور دُشمن اُس کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ چاہے یہ دُشمن شیطان کی صورت میں ہو یا نفس امّارہ کی یا روزمرّہ کی زندگی میں کوئی آدمی طاقتور دشمن کے رُوپ میں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے نوجوانوں کو یہ درس دیا کہ راستے میں رکاوٹیں راہزن نہیں ہوتیں بلکہ راہبر ہوتی ہیں اور انسان کے اندر ہمّت و حوصلہ بلند کرنے کا موجب ہوتی ہیں۔ مصائب و تکالیف نہ ہوں تو راحتوں اور آسائشوں کا مفہوم جاتا رہے۔ رات کا اندھیرا نہ ہو تو دن کے اجالے کی قدر جاتی رہے۔ خزاں نہ ہو تو بہار کی کیا تمیز!

میری وہ مشکل حل ہو گئی جس کا میں متلاشی تھا۔
حضرت داتا گنج بخشؒ

سیّد مخدوم علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں ایک حیرت انگیز واقعہ کا ذکر باب ششم میں کیا ہے لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ میں شیخ ابو یزیدؒ کے مزار پر تین ماہ تک حاضر رہا۔ چنانچہ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھ جاتا مگر میری مشکل حل نہ ہوئی۔ آخر میں نے خراسان جانے کی ٹھانی۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں درویشوں کی ایک جماعت نظر آئی۔ میں موٹا اور کھُردرا لباس پہنے ہوا تھا۔ ہاتھ میں ڈنڈا اور پانی کا برتن تھا اس کے علاوہ اور کوئی ساز و سامان میرے پاس نہ تھا۔ اس جماعت نے مجھے حقیر جانا اور اُن میں سے کسی نے مجھے نہیں پہچانا اُن میں سے کچھ لوگ کہنے لگے یہ ہم میں سے نہیں اور واقعی میں اُن میں نہ تھا۔ لیکن وہاں رات گذارنا بھی ضروری تھا۔ اُن لوگوں نے مجھے خانقاہ کے نچلے حصّہ میں ٹھہرایا اور وہ خود اونچے کوٹھے پر تھے۔ اُنھوں نے کھانے کے وقت ایک سُوکھی روٹی کھانے کو دی اور اُن کے لذیذ کھانوں کی لذّت جو وہ خود کھا رہے تھے مجھ تک آ رہی تھی۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو خربوزے کھانے

لگے اور از راہ مذاق اور حقارت چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے اور طنز کی باتیں کرتے رہے مگر جتنا زیادہ وہ طنز کرتے اتنا ہی میرا دل اُن سے خوش ہوتا تھا۔ اس طرح اُن کی ملامت سہنے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی جس کا میں متلاشی تھا۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے ہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔"

ساده لوح مسلمان عقیدت سے سرشار ہو کر جاہل صوفیوں کے مُرید بن جاتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ سادہ لوح مُسلمانوں کو دو قسم کے گروہوں سے سخت اندیشہ ہے اُن میں سے ایک غافل علماء جو دین و علم کو حصول جاہ کا ذریعہ بناتا ہے اور اپنے ذاتی مفادات کے لیے رُوحِ شریعت کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرے گا اور دوسرا گروہ اُن صوفیا کا ہے

جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اب اس مقام پر ہیں جہاں انھیں احکام شریعت پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت نہیں اور فرماتے ہیں کہ حیرت ہے کہ سادہ لوح اور شریف النفس مسلمان عقیدت سے سرشار ہو کر اُن کے مُرید بنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقعی یہ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اس لیے سیّد مخدوم علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں تلقین کی ہے کہ غافل علماء سے اور جاہل صوفیوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

جاہل صوفی کی پہچان یہ ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں جاہل صوفیوں کی نشاندہی کی ہے۔ جاہل صوفی وہ ہے جو نہ کسی بزرگ کا تربیت یافتہ ہو اور نہ اپنے منصب کے عملی تقاضوں سے باخبر ہو۔ لباس درویشانہ پہن رکھا ہو مگر حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا ہی کو اپنا قبلہ و کعبہ بنالیا

ہے۔ شریعت میں سے آسان چیزیں اختیار کر لی ہیں اور ایثار طلب اور مصائب گزار تعلیمات کو ترک کر دیا ہے اور اُنھوں نے جاہ و منصب کو اپنی مسجد گاہ بنا لیا ہے۔ یہ لوگ اتنے مغرور ہیں کہ بزرگوں پر طعنہ زنی سے بھی باز نہیں آتے۔ حسد و عناد اُن کا مذہب اور مبالغہ و زیادتی کلام اُن کا شیوہ رہ گیا ہے۔

سخاوت ابراہیمؑ کی۔ صبر ایوبؑ کا اور فقر رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا

حضرت جنید بغدادی سہروردیؒ جن کے سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخشؒ شامل ہیں تصوّف کی آٹھ کیفیات بیان کرتے ہیں۔

رضا۔ سخا۔ صبر۔ اشارہ۔ غربت۔ لباس۔ سیاحت۔ فقر۔

حضرت داتا گنج بخشؒ ان کیفیات کی تشریح یوں فرماتے ہیں۔ رضا اسحٰقؑ کے لیے ہے کہ خدا کے حکم پر راضی ہوا اور اپنی جان کو ترک کر دیا۔ سخاوت ابراہیمؑ کے لیے ہے جس نے

بیٹے کو بھی قربان کر دیا۔ صبر ایوبؑ کے لیے ہے کہ بدن میں کیڑے پڑ گئے مگر اُف تک نہ کی۔ اشارہ زکریاؑ کے لیے ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے کہا کہ تو سوائے اشارات کے تین دن تک لوگوں سے نہ بول سکے گا۔ غربت حضرت یحییٰؑ کے لیے ہے کہ ساری عمر غریب رہے بلکہ خویشوں میں رہ کر خویشوں سے بیگانہ رہے۔ لباسِ تصوف حضرت موسیٰؑ کے لیے کہ اُن کے سب کپڑے اُون کے ہوتے تھے۔ سیاحت حضرت عیسیٰؑ کے لیے ہے جو ساری عمر بے سروسامانی کے ساتھ اور بے نیازی میں جگہ بہ جگہ گھومتے رہے۔ ابتدا میں صرف ایک پیالہ اور کنگھی اُن کے پاس تھی۔ جب ایک آدمی کو دونوں ہاتھوں سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ بھی پھینک دیا اور جب دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھوں کی انگلیوں ہی سے بالوں کو صاف کر رہا ہے تو کنگھی بھی توڑ دی۔ فقر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ہے جن کو حق تعالیٰ نے زمین و آسمان کی چابیاں عطا کیں جن کو اہلِ مکّہ نے اپنا بادشاہ بنانا چاہا مگر اُنھوں نے فقر کو اُن سب پر ترجیح دی۔

باب چہارم

حضرت داتا گنج بخشؒ

ایک عالم، معلّم، مبلّغ

اور ــــــــ مفکّرِ اسلام

فقیر کی تعریف یہ ہے کہ وہ ظاہری اسباب
کا مالک نہ ہو اور کچھ نہ ہونا اس کی کسی چیز میں
خلل انداز نہ ہو۔ اگر اُس کے پاس ظاہری اسباب
معیشت اور دنیاوی ساز و سامان ہو تو وہ اُس کے
ہونے سے اپنے آپ کو مال دار نہ سمجھے اور نہ
ہونے سے اپنے آپ کو محتاج و غریب نہ سمجھے یعنی
مال و دولت کا ہونا نہ ہونا اُس کی نظر میں یکساں برابر
ہو بلکہ فقیر جتنا محتاج اور تنگدست ہوتا ہے اسی قدر
اس پر باطنی اسرار و رموز کا انکشاف زیادہ
ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ

یہ کہنا اظہارِ عقیدت نہیں بلکہ اعترافِ حقیقت ہے کہ کشف المحجوب ایک محققانہ تصنیف ہے اور تصنیف محقق ہے تو مصنّف کا محقق ہونا لازم ٹھہرا اور محقق کے لیے عالم ہونا ایک بنیادی شرط ہے اور ایسا عالم جو اپنے علم و فضل کے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹانے پر کمربستہ ہو تو لوگ گنج بخش رح نہ کہیں تو اور کیا کہیں گے اور یہی عالم جب اپنی روحانی فیض بھی عام کر دے تو اُس کے لیے فیض عالم ہونے میں کیا شُبہ اور مظہرِ نورِ خدا ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

ایم - اے - مجید یزدانی

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ایک روز فقر کی بات کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ فقیروں کو معرفت کیونکر میسّر آتی ہے۔ اصحاب نے عرض کیا یا حضرت خدا بہتر جانتا ہے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السّلام وحی لائے۔ "روئے زمین پر سیر و سیاحت کر کے دیکھو کہ جھٹلانے والے کا انجام کیا ہوا ہے"۔ اس لیے اے ہجویری سفر بڑی دولت ہے اُسے اختیار کر۔ محنت اور مشقّت اُٹھا تاکہ معرفت کے میدان میں آجائے۔

حضرت داتا گنج بخش رح

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ سالکانِ حق کا
پہلا قدم توبہ ہے اور اس پر تحویل بحث کی
اور نکات اور اشارات بیان فرمائے۔ توبہ کیا
ہوتی ہے؟ توبہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ توبہ کرکے
پھر بدی پر اگر انسان مائل ہو جائے تو اُسے
کیا کرنا چاہیئے۔ توبہ کرنے والوں کے لیے حکمِ
خداوندی کیا ہے؟ گنہگار اور گناہ کا ارادہ کرنے
والے میں کون کم قصوروار ہے؟

حضرت داتا گنج بخشؒ

ایک عالم ِمُعلّم اَور مبلّغِ اِسُلام

اوّل تا آخر حضرت داتا گنج بخشؒ حصولِ علم اور فروغِ علم کے خواہاں رہے ۔ کشف المحجوب کے پہلے باب میں آپ نے قرآنِ مجید اورِ احادیث نبوی کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ فرمایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک معرفت کے اعلیٰ مراتب و مدارج پر فائز ہوتا ہے ۔ یہ صرف اُسی وقت ممکن ہے کہ جب وہ مکمّل طور پر عامل بھی ہو ۔ آپ فرماتے ہیں کہ علم سیکھنا توفرضِ عین ہے اور علم سے بے نیازی ظاہر کرنا محض کفر ۔ عمل علم کا محتاج ہے اور علمِ عمل کا حاجت مند ۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے اخلاص اور دلجمی نہایت ضروری ہیں ۔

ایک عالم اپنے علم و فضل کے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹانے پر کمربستہ ہو جائے تو لوگ گنج بخشؒ نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے

محققین جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ کو بحیثیتِ عالم نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ علم میں آپ کی فضیلت کا اعتراف نہایت موزوں الفاظ میں کیا ہے۔

ایم۔ اے یزدانی نے اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں جو زیر عنوان "گنج بخشؒ بحیثیت عالم" شائع کیا ہے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت گنج بخشؒ بنیادی طور پر ایک عالم ہیں۔ بحیثیتِ عالم وہ عالمِ دین ہیں۔ بحیثیتِ عالمِ دین وہ مبلّغ ہیں۔ اور بحیثیت مبلّغ وہ دعوتِ اسلام کے لیے خصوصی طور پر متوجہ ہیں اور یہ کہنا اظہار عقیدت نہیں بلکہ اعترافِ حقیقت ہے کہ کشف المحجوب ایک مستند و محققانہ

تصنیف ہے اور تصنیف محقق ہے تو مصنف کا محقق ہونا لازم ٹھہرا اور محقق کے لیے عالم ہونا ایک بنیادی شرط ہے اور ایسا عالم جو اپنے علم و فضل کے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹانے پر کمربستہ ہو تو لوگ گنج بخش نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے اور جب بھی عالم گنج بخشؒ راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد حالتِ سکر میں گوشہ نشینی کی بجائے مقام صحو میں قیام کرتے ہوئے اپنا روحانی فیض بھی عام کر دے تو اس کے لیے فیضِ عالم ہونے میں کیا شبہ اور مظہر نورِ خدا ہونے میں کیسے کلام ہو سکتا ہے اور جب وہ جہالت کے پردے چاک کر کے حقیقت کی نقب کشائی بھی کر دے تو ناقصوں کے لیے اس سے کامل تر پیر اور کاملوں کے لیے اُس سے بہتر رہنما کون ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ بیان فرماتے ہیں۔ کہ کشف المحجوب میں معرفت و حقیقت کی جانب اس انداز سے رہنمائی کی گئی ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اُس کو اس کتاب کی برکت سے مل جائے گا۔

علم ہی وہ اصل جوہر ہے جو دِل کو زندگی عطا کرتا ہے

آپ نے کشف المحجوب کے پہلے باب میں ہی تحصیلِ علم کے لیے پُرزور الفاظ میں تلقین کی ہے۔ فرمایا جو شخص علمِ شریعت سے واقف نہیں اُس کا دل ناداری کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اور جو آدمی خدا کا علم یعنی علمِ طریقت و معرفت اور حقیقت کے علم سے واقف نہیں ہے اُس کا دِل جہالت کی وجہ سے مُردہ ہے۔ شیخ کے نزدیک دونوں کا حاصل کرنا لازمی ہے۔ ہر مسلمان کو اس قدر علم حاصل کرنا ضروری ہے جس سے اس کا عمل درست ہو سکے کیونکہ علم ہی وہ اصل جوہر ہے جو دل کو جہالت کی موت سے زندگی عطا کرتا ہے اور علم ہی کی بدولت آنکھوں کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔

فقر اور فقیر کے متعلق علم

کشف المحجوب کے دوسرے باب میں آپ نے فقیر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ظاہری اسباب کا مالک نہ ہو اور کچھ نہ ہونا اس کی کسی چیز میں خلل انداز نہ ہو۔ اگر اُس کے پاس ظاہری اسباب معیشت اور دنیاوی ساز و سامان ہو تو وُہ اُس کے ہونے سے اپنے آپ کو مال دار نہ سمجھے اور نہ ہونے سے محتاج و غریب نہ سمجھے یعنی مال و دولت کا ہونا یا نہ ہونا اُس کی نظر میں یکساں و برابر ہو بلکہ فقیر جتنا محتاج اور تنگ دست ہوتا ہے اسی قدر اُس پر باطنی اسرار و رموز کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے۔ فقر یہ ہے کہ اگر اس کے فقر کو دونوں جہانوں سے تولا جائے تو اس کے فقر کا پلڑا بھاری رہے اور دونوں جہان اس کی نظر میں مچھر کے برابر بھی حقیقت نہ رکھتے ہوں اور فقیر کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

فقر و فقیر کے متعلق جو اولیائے کرام نے اقوال بیان کیے ہیں حضرت مخدوم علی ہجویریؒ نے ان کی وضاحت فرماتے ہوئے اپنے دلائل پیش کیے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت رویم بن محمدؒ کا یہ قول کہ فقیر وہ ہے جو اپنے رازِ دل کو چھپائے آفات سے اس کا نفس محفوظ ہو اور جو فرائض کا پابند ہو۔ آپ نے اُن کے قول کی یہ وضاحت فرمائی ہے کہ فقیر باطنی طور پر جن تجلّیات کا مشاہدہ کرے اُس کا اظہار نہ کرے اور اگر کسی کرامت کا اس سے اظہار ہو جائے تو اُس کو چھپانے کی کوشش نہ کرے اور تجلّیات کا مشاہدہ اور انوار کے ظہور سے اس قدر بے خود اور مست نہ ہو جائے کہ جس کی بنا پر احکامِ الٰہی کی اطاعت میں خلل واقع ہو۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کی پہلی تصنیف ۹ سال کی عمر میں

آپ کشف الاسرار میں اپنے وطن میں بہت سے عجائبات دیکھنے کا ذکر کرتے ہیں تفصیل تو نہیں لکھتے مگر

یہ ضرور تحریر فرماتے ہیں کہ اگر اُن عجائبات کا ذکر کیا جائے تو پیہم آنسو بہانے لگ جائے۔ ان الفاظ کے بعد ایک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غزنی میں ایک پیر مرد تھے نام شیخ بزرگ تھا اور تھے بھی بزرگ۔ ایک دن مجھ سے فرمایا۔

"اے علی! کوئی ایسی کتاب لکھ کہ تیری یاد رہ جائے"

اُس وقت داتا گنج بخشؒ کی عمر کوئی بارہ سال تھی۔ اس عُمر کے لڑکے سے پیر مرد کی یہ فرمائش کہ کوئی کتاب تصنیف کرو اور وہ کتاب بھی سرمایہ عمر اور قابلِ یادگار ہو بظاہر کس قدر تعجب کی بات ہے۔ لیکن وہ پیرِ مرد ہی نہ تھے بلکہ روشن ضمیر بھی تھے۔ وہ حال میں مستقبل کی علامات اور بالائے سرش ستارہ بلندی کی جھلک دیکھ رہے تھے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ میں نے اُن بزرگ سے عرض کیا کہ اے شیخ بزرگ میری عُمر ابھی بارہ سال کی ہے۔ علم سے بھی ناواقف ہوں۔ آپ کے حکم کی تعمیل کس طرح کر سکتا ہوں مگر جب بزرگ نے بہت اصرار کیا،

آپ ایک کتاب لے آئے جو اسی شہر میں تھوڑا عرصہ پہلے ہی آپ نے لکھی تھی۔ کتاب پڑھ کر اس پیر مرد نے فرمایا تو دین میں بڑا شخص ہو گا۔ آپ نے عرض کیا "آپ کی مہربانی چاہیئے"۔ اس کتاب کے عنوان سے متعلق ایک روایت ہے کہ اس کتاب کا نام "بقا و فنا" تھا مگر آپ نے خود کسی جگہ بھی اس کتاب کا نام نہیں بتایا اس لیے اس عنوان کو قابل اعتماد ٹھہرانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

طالب حق کے لیے علم کا سیکھنا ضروری ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ

آپ نے کشف الاسرار میں فرمایا ہے کہ طالب حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم کی دولت سے مالا مال ہو۔ کیونکہ بغیر علم کے انسان کے لیے خدا تک رسائی اور شناسائی حق مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا "اے انسان طالب حق بن۔ تکلیف سے نہ ڈر۔ فقیری مشکل ہے۔ علم سیکھ

اور عمل کر۔ والدین کی خدمت تم پر لازم ہے۔ انشاء اللہ
صدر نشین ہوگا۔ خدا کا کرم تیرے شاملِ حال ہوگا۔ خدا کی
تعریف ہر دم کر۔ وہ علیم و حکیم ہے۔ خدایا میرے گناہ ڈھانپ
مجھے خواری نہ دے۔ اے بصیر مجھ پر رحم کر میں کمزور ہوں
اور تو قادرِ مطلق۔ اے دوست! خدا جو عنایت کرتا ہے۔
اُس پر راضی رہ۔ گدڑی دے یا قاقم شکر بجالا۔ گھوڑا ہو یا
گدھا سوار ہو۔ بِنِعۡمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ تکلیف میں
صبر کر کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ صبر نعمت
ہے۔ اُس کا اظہار کسی پر نہ کر۔ یہ آقا کا شکوہ ہوگا۔ جو چاہے
خدا سے مانگ ہم سوائے خدا کے کسی کے آگے فریاد نہیں
کرتے۔ کسی کو عبادت اور استعانت میں ربّ کا شریک
نہ کر۔ تو تو اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ○ پڑھنے
والا ہے۔ تو پھر صدق اور یقین رکھ۔ ورنہ تو منافق ہے یا
مشرک۔ خدا بچائے اور تجھے خدا کے سوا اور کوئی نہیں
بچا سکتا۔

جو حاکمِ وقت ظلم و ستم کی بیخ کنی کرنے والا اور عدل و انصاف کو محکم کرنے والا ہو اُس کی تعریف اور اعانت کر۔ حضرت داتا گنج بخشؒ

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے شاگرد ابوسعید ہجویری کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کے معاملات میں بقدرِ ضرورت دلچسپی لے اور فرائض حیات کی بجاآوری کر لیکن دنیا کی لگن میں ہمہ وقت مستغرق ہوکر کہیں خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جانا کہ یہ بھی شرک کی ایک صورت ہے کسی کا دل تجھ سے رنجیدہ نہ ہو۔ حاکمِ وقت کی تعریف و توصیف امداد و اعانت کر جو اپنے ملک کے ظلم و ستم کی بیخ کنی کرنے والا عدل و انصاف کو محکم کرنے والا اور رعایا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور آرام پہنچانے والا ہو۔ لیکن کسی بھی بادشاہ یا حاکم کی مدح و توصیف کسی دنیاوی غرض کے لیے نہ ہو۔ آپ نے اُمراء و سلاطین کو تنبیہ کی کہ ظلم و ستم اُن کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ عُلماء کی خرابی

طمع ولالچ سے پیدا ہوتی ہے اور فقراء کی بربادی جاہ طلبی ہے۔

انسان کے لیے خطرناک حجاب کون سا ہے؟

آپ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ حقائق ومعارف کے بہت سے نکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اس کی درگاہ کے عزیزوں کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ ان نقاط سے ناواقف رہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل پر دو قسم کا پردہ ہوتا ہے ایک رینی اور ایک غینی۔ آپ فرماتے ہیں کہ رینی وہ حجاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہیئے کیونکہ اسی حجاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور اللّٰهُ وَعَلٰى قُلُوْبِهِمْ فرمایا ہے۔ یعنی مہر لگادی ہے اللہ نے اُن کے دلوں پر۔ اس حجاب میں وہ لوگ آتے ہیں جن کو حق سے انکار اور باطل کے اختیار کرنے سے دلی محبت

ہے۔ اور یہ حجاب انسان کے لیے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ دُوسرا حجاب غینی ہے تربیّت اور توجّہ سے یہ حجاب جلدی دُور ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کی طبیعت ہے تو حجاب میں اور بظاہر وہ حقائق اور معارف سے ہے بھی دُور لیکن فی الواقعہ اُس کی طبیعت میں حق کی طلب ہے وُہ صرف غفلت میں ہے۔ اور کسی وقت مُرشد کامل کے مِل جانے سے وُہ صفائی قلب اختیار کر سکتا ہے۔

جس شخص کو میں نے ستّر سال تک پالا ہے اے ابراہیم! تو اُس کو ایک وقت کی روٹی دینے سے نفرت کرتا ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ سخی وہ ہوتا ہے جو بخشش اور عطا میں تمیز کرے اور جو کرے اُس میں کوئی سبب بھی ہو اور یہ بخشش عطا کے مقامات کی ابتدا ہے۔ جواد وہ ہوتا ہے جو تمیز نہ کرے اور اس کا ایسا کرنا کسی بے غرضی کے ساتھ ہو۔ اس کی

مثال میں حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا
ایک واقعہ لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ مہمان کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے
ایک دن اُن کے گھر ایک مہمان آیا اُس سے کہا کہ دوسرے
مذہب کے مہمان کے لیے میرے پاس روٹی نہیں ہے حق تعالیٰ
نے فرمایا جس شخص کو میں نے ستّر سال تک پالا ہے اے ابراہیم
تُو اس کو ایک وقت کی روٹی دینے سے نفرت کرتا ہے ۔ جُود
کی مثال میں آپ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا ایک واقعہ لکھتے ہیں
کہ اُن کے پاس جب حاتم کا بیٹا آیا تو اُنھوں نے اپنی چادر
اُس کے نیچے بچھادی تھی اور فرمایا جب کسی قوم کا سخی بزرگ تمھارے
پاس آئے تو اُس کی عزّت کرو ۔ غرض کہ آپؐ نے نبوّت کی چادر
کو ایک کافر کا فرش بنایا اور یہ جُود کی شان تھی ۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ
کو تمام اُمتیں عالم کہہ سکتی ہیں لیکن عاقل یا فقیہہ نہیں کہتیں اس لیے
کہ خدا کا مرتبہ ان سے بہت بلند ہے ۔

جلالی اور جمالی توبہ کا علم

آپ فرماتے ہیں کہ سالکان راہ حقیقت کا پہلا مقام توبہ ہے اور اس پر حضرت داتا گنج بخشؒ نے طویل بحث کی ہے اور نکات و ارشادات بیان کیے ہیں۔ توبہ کیا ہوتی ہے؟ توبہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ توبہ کر کے پھر بدی پر اگر انسان مائل ہو جائے تو اس کو کیا کرنا چاہیے۔ توبہ کرنے والوں کے لیے حکم خداوندی کیا ہے؟ گنہگار اور گناہ کا ارادہ کرنے والے میں کون کم قصوروار ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ گناہ کا ذکر حسرت سے ہوتا ہے یا ارادہ سے۔ جب کوئی حسرت اور ندامت سے اپنے گناہ کو یاد کرے تو وہ توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اور جو ارادہ سے گناہ کو یاد کرے تو وہ گنہگار کیونکہ گناہ کرنے میں اتنی آفت نہیں ہوتی جتنی گناہ کا ارادہ کرتے رہنے سے جو جاری رہتا ہے۔ توبہ ایک جمالی بھی ہوتی ہے اور ایک جلالی بھی اور اس کا نام توبۃ الانابت اور توبۃ الاستحیاء ہے۔ انابت کے تو معنی ہیں کہ بندہ خدا کے عذاب

کے خوف سے توبہ کرے اور استحیاء کا مطلب ہے کہ بندہ اِدھر اپنے گناہوں کو دیکھے اُدھر اُس کے لطف و کرم اور وریائے رحمت کو اور خود ہی شرم سے غرق ہوتا جائے۔ جو توبہ خوف کی وجہ سے ہو وہ جلال کے کشف سے ہوتی ہے اور جلالی کہلاتی ہے اور جو حیا اور شرم کی وجہ سے ہو وہ جمال کے دیکھنے سے ہوتی ہے اور جمالی کہلاتی ہے۔

خواجہ احمد سرخسیؒ نے توبہ کی ابتداء کس طرح کی؟

جب حضرت داتا گنج بخشؒ غزنی سے لاہور جلوہ فرما ہوئے تو آپ کے ساتھ دو اور بزرگ بھی تھے۔ ایک تو خواجہ احمد سرخسیؒ جو سرخس کے رہنے والے تھے اور دوسرے ابو سعید ہجویریؒ جو آپ کے گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابو سعید ہجویریؒ کا حال اس سے زیادہ کچھ اور معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کو حضرت نے کئی جگہ مخاطب کیا ہے اور آپ ہی کے بعض استفسارات

کے جواب میں لاجواب کتاب کشف المحجوب عالمِ وجود میں آئی۔ دوسرے خواجہ احمد سرخسیؒ ہیں۔ ان سے ایک دفعہ آپ نے پوچھا تیری توبہ کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ کہا ایک مرتبہ میں سرخس سے روانہ ہوا۔ ایک مدّت تک ایک جنگل میں اپنے اونٹوں کے ساتھ رہا۔ اُس دن میں بہت خوش ہوتا جب وہ بھوکا رہ کر اپنے حصّہ کی خوراک کسی مسافر یا راہگیر کو دیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شیر آیا۔ زور سے دھاڑنا شروع کر دیا۔ گردونواح کے درندے لومڑی گیدڑ اور بھیڑیئے وغیرہ آ گئے۔ اُن کے آنے پر شیر نے اُونٹ کو پھاڑ ڈالا اور پھر ایک بلندی پر چلا گیا۔ شیر کے جانے کے بعد سب جانور اونٹ کا گوشت مزے سے کھانے لگے اور خوب سیر ہو کر چل دیئے۔ پھر شیر نیچے اُترا اس غرض سے کہ آپ بھی کچھ کھالے۔ اتنے میں ایک لنگڑی لومڑی نظر آئی جو اُسی طرف آ رہی تھی۔ شیر لومڑی کو دیکھ کر پھر واپس چلا گیا اور جب وہ بھی کھا کر چلی گئی تو شیر نے بھی آ کر تھوڑا سا کھا لیا۔ میں دُور سے یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔ شیر میرے نزدیک آیا اور خدا کے حکم سے گویا ہو کر

کہنے لگا۔ اے احمد! لقموں کا ایثار کرنا بھی کوئی ایثار ہے۔ اگر مرد ہے تو اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کر۔ لقموں کا ایثار تو حیوان بھی کر سکتے ہیں۔ تو مرد ہے تجھ سے جوانمردانہ ایثار ہی مناسب ہے۔ احمد سرخسیؒ نے کہا جب شیر سے یہ بات میں نے سُنی تو مجھ پر ایثار اور توبہ کے اسرار کھلے اور میں نے دنیا کے تمام شغلوں سے توبہ کر لی اور یہی میری توبہ کا ابتدائی دن تھا۔

سیر و سیاحت۔ ریاضات و مجاہدات

حصُول علم کے لیے حضرت داتا گنج بخشؒ نے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی۔ عہد شباب کا بیشتر حصّہ سفر و سیاحت کے تجربات اور عجائباتِ قدرت کے مشاہدات میں گزارا۔ آپ فرماتے ہیں کہ فقیر کو بے وطنی اور مفلسی فقیر بناتی ہے۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

"سُنا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایک

روز فقر کی بات کہہ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ فقیروں کو معرفت کیسے میسّر آتی ہے ۔ اصحاب نے عرض کیا یا حضرت! خدا بہتر جانتا ہے ۔ اِسی اثنا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لائے "رُوئے زمین پر سفر کرکے دیکھو جھٹلانے والے کا انجام کیا ہوا ہے ۔"

"اِس لیے اے ہجویری سفر بڑی دولت ہے ۔ اُسے اختیار کر ۔ ابھی چل ۔ دلیلوں اور حجّتوں کو چھوڑ ۔ سامانِ سفر ہو تو حج کے لیے جا ۔ محنت اور مشقّت اُٹھا تاکہ معرفت کے میدان میں آجائے ۔"

یہ بات ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مرید اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ سیر و سیاحت کے لیے علمِ دین کی تکمیل کے لیے نکلا کرتے تھے آپ نے بھی اس دستور کو اپنایا اور اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ اور خود اکیلے بھی سیر و سیاحت میں مصروف رہے ۔ تکالیف و مصائب برداشت کیے ۔ ریاضتوں اور مجاہدوں میں حصّہ لیا ۔ سلوک اور معرفت کی منازل طے کرنے میں جو صعوبتیں آپ نے برداشت کیں آپ کی کتاب کشف المحجوب میں جا بجا اُن کا ذکر ملتا ہے مسلسل سفر میں رہنے کے باوجود کبھی بھی نماز باجماعت ترک نہ کی اور ہر جمعہ کو کسی قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے قیام کرتے ۔

آپ لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جس نے پروردگار عالم کی خاطر اپنے نفس سے جہاد کیا۔ اس طرح آنحضرتؐ نے یوں فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے: صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جہاد اکبر کیا ہے۔ فرمایا مجاہدہ نفس۔ چونکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجاہدہ نفس کو جہاد پر فضیلت دی ہے اس لیے نفس کی مخالفت کرنے میں بہت تکالیف ومصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں اولیاء اللہ ریاضات ومجاہدات اس لیے کرتے ہیں کہ اصلاح نفس ہو سکے اور سرکش و باغی نفس کو قابو میں لایا جائے تاکہ وہ گناہوں کی طرف راغب نہ کر سکے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابو العباسؒ صاحب وقت تھے انھوں نے فرمایا" ایک دن میں باہر سے گھر لوٹا تو دیکھا کہ ایک زرد رنگ کا کتا گھس آیا ہے لیکن جونہی اُسے باہر نکالنے کا ارادہ کیا وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور شیخ ابو القاسم گورگانیؒ جو آجکل قطب کے مرتبہ پر فائز ہیں اور وقت کے مدار علیہ ہیں

اللہ تعالیٰ اُن کو سلامت رکھے اپنے ابتدائے حال کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ میں نے نفس کو سانپ کی صورت میں دیکھا۔

سیر و سیاحت کے دوران آپ کو جن صبر آزما حالات اور احوال و مقامات سے گزرنا پڑا اور جن جن حوادث سے دوچار ہونا پڑا اُن سے آپ کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ انھیں ریاضتوں مجاہدات اور صفائیٔ قلب کی بدولت آپ کو قربِ رسول نصیب ہوا اور آپ نے دو مرتبہ رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا اور ہدایت پائی یہی مجاہدات و ریاضات کا کرشمہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فقط خراسان میں تین سو مشائخ سے فیض یاب ہوئے

حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ غزنی اور اس کے مضافات سے ابتدائی علوم کی تکمیل کے بعد فرغانہ۔ خراسان ۔

اورالنہر کے مکاتب میں تحصیل علوم کے لیے گئے۔ اس کے بعد آپ نے اسلامی ممالک کا رُخ کیا۔ آپ کے ہمراہ احمد حماد سرخسی تھے۔ آذربائیجان۔ ترکستان۔ عراق۔ قہستان۔ فارس۔ کرمان۔ خورستان۔ مدائن۔ طبرستان۔ بسطام۔ نیشاپور۔ سرخس۔ جبل السّلام طرس وغیرہ بھی آپ تشریف لے گئے۔ ان تمام علاقوں کے عُلماء فضلاء اور اولیائے کرام سے ملے اور فیض حاصل کیا۔ آپ لکھتے ہیں کہ فقط خراسان میں تین سو مشائخ کی خدمت میں حاضر ہو اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ کشف المحجوب میں آپؒ اس ضمن میں آذربائیجان کے سفر کا حال اس طرح لکھا ہے کہ میں ایک دفعہ آذربائیجان کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا کہ وہاں ایک درویش کو دیکھا جو نہایت دردمندی سے اشعار پڑھ رہا تھا اشعار پڑھنے کے بعد اُس کا رنگ بدل گیا اور وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور میرے دیکھتے دیکھتے بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ ماورالنہر کے سفر کا حال یوں بیان کیا ہے کہ احمد حمّاد سرخسی نے اپنے رفیقِ سفر سے دریافت کیا

کہ تم نکاح کیوں نہیں کرتے ۔ اُس نے کہا ضرورت محسوس نہیں ہوئی ۔ فرمایا کیوں ؟ کہا کہ میں اپنے آپ سے غائب رہتا ہوں اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو ایسے رکھتا ہوں کہ ایک روٹی کو ہزار حُور سے بہتر سمجھتا ہوں ۔ پس میں دل کے شغل سے بہتر اور کوئی شغل نہیں سمجھتا ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ آلہ وسلّم کو میرے دِل کی کھٹک معلوم ہوگئی

حضرت داتا گنج بخشؒ سفر شام کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے سرہانے سو گیا ۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں مکّہ معظّمہ میں حاضر ہوں اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے شخص کو گود میں لیے ہوئے ہیں ۔ میں دوڑتا ہوا خدمتِ اقدس میں پہنچا ۔

پائے اقدس کو بوسا دیا اور دل میں قیاس کرنے لگا کہ یہ عمر رسیدہ کون ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو میرے دل کی کھٹک معلوم ہو گئی۔ ارشاد ہوا یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے یعنی امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔

ذکر آگ کے چوہے کا اور زہرِ قاتل کے اندر ایک کیڑے کا

آپ ایک اور سفر کا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ترکستان میں دیکھا کہ سرحدِ اسلام کے نزدیک ایک شہر میں ایک پہاڑی تھی جس کے اندر آگ لگ گئی تھی اُس کے دھکتے ہوئے پتھروں سے نوشادر اُبل اُبل کر باہر آرہا تھا اُس آگ میں ایک چوہا تھا جو اُس آگ میں زندہ رہ سکتا تھا اگر اُس کو باہر نکال لیا جاتا تو ہلاک ہو جاتا۔

اسی طرح آپ غزنی سے لاہور کے سفر میں ایک جگہ

زہر قاتل کے اندر ایک کیڑا دیکھا جو صرف اسی میں زندہ رہ سکتا تھا۔ اگر اس کیڑے کو زہر سے نکال لیا جائے تو مر جاتا ہے۔

سفر طوس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے طوس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ اپنے مکان کی مسجد میں بالکل تنہا ہیں اور ایک ستون سے ہم کلام ہیں۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! آپ یہ بات کس کو سنا رہے ہیں۔ فرمایا اے بیٹے ابھی اللہ پاک نے اس ستون کو مجھ سے ہم کلامی کی قوّت عطا فرما دی تھی یہاں تک کہ اس نے مجھ سے سوال کیا اور میں اس کا جواب دے رہا تھا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیر و مُرشد ایک جلیل القدر شخصیّت کے مالک تھے

روحانی فیض و برکات آپ نے حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ سے حاصل کیے اور کافی مدّت ان کی خدمت میں رہے

شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کے پیر و مرشد سلسلہ جنیدیہ سے منسلک تھے۔ کشف المحجوب میں اپنے پیر و مرشد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد بہت بڑے عالم تھے تفسیر و روایات میں لاثانی تھے۔ وہ اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے۔ صوفیانہ رسم و لباس کے پابند نہ تھے اور بڑی جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے مریدوں کو کم گوئی اور کم خوابی کی بہت تلقین کرتے تھے۔

آپ کے پیر و مُرشد کو معلوم ہو گیا کہ اُن کا مُرید ایک روز صاحبِ وقت ہو گا

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنے پیر کی نسبت فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اُن کے ہاتھ دھلا رہا تھا۔ دفعتاً یہ خیال آیا کہ جب سب کام تقدیر اور قسمت پر منحصر ہیں تو کیوں ہم لوگ اپنے آپ کو غلام بنا کر پیروں کی خدمت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

اے بیٹا! جو کچھ تمہارے دل میں گزر رہا ہے مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر ہر حکم کے لیے ایک سبب ہوا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو تاج و تخت سپرد کر دے تو اُس میں پہلے اُس کے سنبھالنے کی توفیق بھی پیدا کر دیتا ہے اور وہی خلافت اُس کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس واقعہ سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیر و مرشد اپنے وقت کے ایک بلند پایہ ولی اللہ تھے جن سے بسا اوقات کرامات ظہور میں آتی تھیں اور اُن کی پیش گوئی تاج و تخت کے حوالہ سے بالآخر پُوری ہوئی اور سیّد مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ روحانی عالم میں سب سے بلند مرتبہ پر فائز ہوئے اور خلقتِ خدا کو دینی علوم سے مالا مال کیا اور علم و فضل کے موتی بکھیرے۔

یہ وہ مقام تھا جہاں سارے عالم کے اولیائے کرام آپ کے پاس رہنمائی کے لیے آتے اور رشد و ہدایات سے فیض یاب ہو کر واپس اپنی ولایت کو لوٹ جاتے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے اساتذہ کرام

آپ نے کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ کرام کے نام بتائے ہیں اور ان کی شخصیت اور علمیت سے متعلق بڑی عقیدت مندی کے ساتھ مؤدّبانہ ذکر فرمایا ہے۔ اُن میں سے شیخ ابو العباس احمد بن محمد اشقانی۔ شیخ ابو القاسم بن علی گرگانی۔ ابو العباس احمد بن محمد القصاب۔ ابو عبداللہ بن علی المعروف بالداختانی۔ ابو جعفر بن المصباح الصیدیانی۔ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری ابو سعید فضل اللہ بن محمد اور ابو المظفر بن احمد کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان میں ہر ایک بزرگ کا ذکر کشف المحجوب کے مختلف صفحات پر مختلف موضوعات کے تحت جا بجا نظر آتا ہے۔

غیر ممالک کے محققین نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے وسیع مطالعہ کو تسلیم کیا ہے۔

غیر ممالک کے محققین نے اپنے تبصروں میں اعتراف کیا ہے کہ حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ کی قابلیت۔ علم و فضل اور بصیرت

اُن کے وسیع مطالعہ پر بھی مبنی ہے۔ اُنھوں نے تسلیم کیا ہے کہ لینن گراڈ میں کشف المحجوب کے روسی ایڈیشن میں اُن کتابوں کی فہرست درج ہے جو آپ کے زیرِ مطالعہ تھیں اور یہ سب کتابیں مستند کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں سے چند کتابوں کے نام اور مصنف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بیانِ آداب المریدین مؤلفہ محمد بن علی ترمذی
۲۔ تاریخ اہل صفا مؤلفہ عبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی
۳۔ تصحیح الارادہ مؤلفہ جنید بغدادی
۴۔ الرعایہ لحقوق اللہ مؤلفہ احمد بن خضرویہ
۵۔ تاریخ المشائخ مؤلفہ محمد بن علی ترمذی
۶۔ کتاب اللمع مؤلفہ ابی نصر سراج
۷۔ مرآۃ الحکما مؤلفہ شاہ بن شجاع کرمانی

ان کتابوں کی تصدیق ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب" میں بھی کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار کتابیں حضرت داتا گنج بخشؒ کے زیرِ مطالعہ رہیں۔

آپ نے کشف المحجوب میں متعدد علماء اور مشائخ کے نام لیے ہیں جن کی تصانیف و خیالات پر آپ نے مختصر مگر جامع تبصرے فرمائے ہیں۔

عورت نے کہا وہ دروازہ جو میں بند نہیں کرسکتی ہمارے اور خدا کے درمیان ہے

کشف المحجوب کی پہلی فصل میں جو حصولِ علم سے متعلق ہے آپ ایک حکایت یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک رئیس اپنے باغ میں گیا اور اُس کی آنکھ اپنے ملازم کی حسین عورت پر پڑی اور اُس کے عشق میں فوراً مبتلا ہو گیا۔ اس رئیس نے اُس کے خاوند کو کسی کام کے لیے باہر بھیج دیا اور اُس عورت کو کہا کہ تمام دروازے بند کر دو۔ اُس عورت نے کہا کہ میں تمام دروازے بند کر سکتی ہوں مگر ایک دروازہ بند نہیں کر سکتی۔ رئیس نے کہا کہ ان دروازوں کے علاوہ اور کون سا دروازہ ہے جسے تو بند نہیں کر سکتی۔ اُس

عورت نے کہا کہ وہ دروازہ ہمارے اور خدا کے درمیان ہے
یہ سُن کر رئیس پشیمان ہوا اور اُس نے اِس فعلِ قبیح سے توبہ کی۔
عارف کی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اور
اس کے فعلوں سے علم حاصل کرتا ہے اور عالم باعمل ہوجاتا ہے
وہ ہر وقت اللہ اور صرف اللہ سے ہی ڈرتا ہے۔ اس عورت کو
اگر ایک عارف کے مقام پر دیکھا جائے تو مبالغہ آرائی نہ ہوگی
اور اُس رئیس کو جاہل اور بے علم کہا جائے تو یہ بھی بے جا نہ ہوگا۔
آپ فرماتے ہیں:

نصیب عام و نصیب خاص میں فرق

زیرِ عنوان کشف المحجوب کے ساتھ ہی ساتھ اگر میں نے بحیثیت
مصنف اپنا نام بھی ثبت کیا ہے تو اس کے دو مقاصد تھے ایک
نصیب عام دوسرا نصیب خاص۔ نصیب عام سے مراد یہ ہے
کہ جب اکثر جاہل بے بصیرت اور غیر ذمہ دار لوگ علم تصوف پر

کوئی ایسی نئی کتاب دیکھتے ہیں جس میں مصنّف نے کئی ایک جگہ اپنا نام نہ لکھا ہو تو اُس کو اپنے نام سے منسوب کر کے مصنّف کے حقیقی مقصد کو تلف کر دیتے ہیں اور تالیف اور تصنیف سے ایک صاحبِ شعور اور مخلص مصنّف کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُس کا نام دنیا میں ذکرِ خیر کے ساتھ زندہ رہے اور وہ لوگوں کی نیک دُعاؤں سے متمتع ہوتا رہے۔ چنانچہ مجھے بھی ایک دو مرتبہ یہ سانحہ پیش آچکا ہے۔ ایک دفعہ تو کسی نے مجھ سے میرے شعروں کا دیوان طلب کیا اور پھر واپس نہ دیا اور چونکہ میرے پاس اس نسخہ کے علاوہ کوئی اور نسخہ نہ تھا اُس نے دیوان کے شروع میں میرے نام کی جگہ اپنا نام چسپاں کرتے ہوئے میری محنت و کاوش کو تلف کرنا چاہا۔ اس طرح میں نے تصوّف میں ایک اور کتاب زیرِ عنوان منہاج الدین تالیف کی اور مدعیان شقی قلب میں سے ایک شخص نے خدا اُسے خاک و خاکستر کرے میرے نام کو اس کتاب کے اوّل سے مٹا دیا۔

اور عوام النّاس میں اپنے نام کو شہرت دی حالانکہ اس کے اس فعل کی خواص نے انتہائی مذمّت و تضحیک کی اور اللہ تعالیٰ کے قہر نے اسے ایسے قعرِ مذلّت تک پہنچایا کہ اُس کا نام اپنی درگاہ کے طالبوں میں سے یکسر خارج کر دیا یہ تو نصیب عام کی کیفیت ہے جس کی رُو سے عوام کو لکھنے والے کی صحیح قدر و منزلت اور حقوق کا اندازہ ہی نہیں ہوتا لیکن اُس کے بالکل برعکس نصیب خاص یہ ہے کہ فضل ایزدی سے جب خاص نصیب والے کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور بخوبی سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا مصنّف اس علم و فن میں واقعی ایک محقق و عالم ہے تو اس کے تمام حقوق کی رعایت و حفاظت بہترین طریق پر کرتے ہیں اور اس کے مطالعہ اور جذب و ضبط میں انتہائی جِد و جہد سے کام لیتے ہیں۔ پس نصیب خاص والوں کے اس عادلانہ اور صحت مند طریقِ کار سے نہ صرف لکھنے والے بلکہ اس کا مطالعہ کرنے والے کے مقاصد و مفادات کی تحصیل بہترین طریق پر ہوتی رہتی ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

کشف المحجوب سادگی اور بلاغت کا حسین امتزاج ہے۔ آر۔ اے نکلسن پردوں کو بے پردہ کرنے والی کشف المحجوب فارسی کی قدیم ترین اور لاجواب کتاب ہے۔ مارگریٹ سمتھ

جوں جوں پڑھتا ہوں توں توں میرے دل میں روحانی جذبہ موجزن ہو رہا ہے۔

پرفلیسر ژوکوسکی

انگلستان کے آر۔ اے نکلسن نے ۱۹۱۱ء میں کشف المحجوب کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا۔ اس نے کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ مصنف کا انداز اوّل تا آخر ایک معلّم کا ہے جو اپنے شاگرد کو ہدایت کر رہا ہو۔ مصنف کا اندازِ بیان اِس امر کا شاہد ہے کہ یہ ایک عالم کا بیان ہے جسے تصوف پر بھی عبور حاصل ہے۔ اور جو عالم اور صوفی ہونے کے علاوہ ایک صاحب طرز ادیب بھی ہے۔ بقول نکلسن کوئی فارسی

کشف المحجوب سے اس وقت تک لطف اندوز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان پس پردہ عالمانہ لفظیات و تراکیب بندی کا صحیح اندازہ نہ کر سکے جو خالص ایرانی رنگ و بُو سے لبریز اور فلسفانہ اندازِ بیان سے مزیّن ہے کشف المحجوب میں سادگی اور بلاغت کا حسین امتزاج ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ رینالڈ نکلسن نے حضرت علامہ اقبال کی کتاب "اسرار خودی" کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا اور اس کتاب کو یورپ والوں سے متعارف کرایا۔

علاوہ ازیں مارٹن لنگز اے۔ جی آربری۔ اے۔ جی۔ براؤن۔ ڈی۔ ایم میتھن نے بھی اپنی کتابوں میں کشف المحجوب کے بے شمار حوالے دیئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان غیر مسلم محققین نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی اس بے مثال کتاب سے خوب استفادہ کیا۔ مارگریٹ سمتھ نے اولیائے کرام کی تصانیف سے حوالے دیتے ہوئے کشف المحجوب کے متعلق لکھا ہے۔ کہ پردوں کو بے پردہ کرنے والی یہ تصنیف فارسی کی قدیم ترین

اور لاجواب کتاب ہے جس میں مخدوم علی ہجویری نے نظریہ تصوف کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی نظریات بھی پیش کیے ہیں۔

روس کے شہرہ آفاق ماہر شرقیات پروفیسر ژوکوسکی نے سالہا سال کی تحقیق کے بعد ایک مستند نسخہ فارسی زبان میں ترتیب دیا اور اس پر روسی زبان میں ایک دیباچہ لکھا۔ یہ کتاب مصنف کی وفات کے بعد سوویٹ گورنمنٹ نے ۱۵ مارچ ۱۹۲۶ء کو شائع کی۔ کشف المحجوب کا یہ ایڈیشن پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے یوں اعتراف کیا ہے "جوں جوں کشف المحجوب کو پڑھتا ہوں توں توں میرے دل میں روحانی جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ اور میں یہ قلمبند کرنے پر مجبور ہوں کہ مخدوم علی ہجویریؒ ایک لاثانی عالم ہیں جو ایک بلند پایہ مفکر اسلام ہیں" یہ امر قابل ذکر ہے کہ ژوکوسکی کا یہ نسخہ جو فارسی زبان میں ہے وی آنا۔ لینن گراڈ اور تاشقند کے چند قدیم مخطوطات کی بنا پر مرتب کیا گیا۔ جس سلیس فارسی زبان میں

یہ نسخہ مرتب ہوا وہ ان دنوں سمرقند۔ بخارا اور تاشقند میں بولی جاتی تھی۔ اس کتاب سے نہ صرف روسیوں نے بلکہ عالم اسلام کے ادیبوں نے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور حضرت داتا گنج بخشؒ کی یہ لازوال کتاب خاص طور پر روس کے ادبی حلقوں میں خوب متعارف ہوئی۔

لاہور میں کشف المحجوب کے قدیم قلمی نسخے

حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب کشف المحجوب کی نشرو اشاعت کے لیے جہاں لاہور کے ادیبوں اور دینی حلقوں نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہاں لاہور میں اس کتاب کے قدیم قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ فارسی میں ایک قدیم قلمی نسخہ شیخ نبی بخش سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے ذاتی کتب خانہ میں تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد یہ نسخہ اُن کے بھتیجے میاں خوشی محمد کے پاس ہے۔ ایک اور قدیم قلمی نسخہ جس کے

صفحہ اوّل پر ایک گوشہ میں تاریخ ۱۳۶۵ھ جو عرس حضرت شاہ جمال کے موقعہ پر لکھا گیا تھا پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے کل صفحات ۳۸۶ ہیں۔

کشف المحجوب قرآن حکیم کی تفسیر بھی ہے اور سنّتِ رسُول اللہ کی تلقید بھی۔ میری کوئی اولاد نہیں سوائے ایک لڑکی غلام جنت کے جس کو میں نے کشف المحجوب اور دیوانِ حافظ کا مطالعہ کرایا ہے۔ منشی امیر بخش

ایک اور قدیم قلمی نسخہ منقولہ منشی امیر بخش مرحوم شیخ محمد لطیف شاہ باغ لاہور کے پاس دیکھا گیا ہے مصنّف منشی امیر بخش جو اُردو اور فارسی کے نہ صرف اچھّے نثر نگار تھے بلکہ اپنے وقت کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ مرحوم منشی امیر بخش اس برّ صغیر کے واحد شاعر تھے جنھوں نے ہیر رانجھا کو فارسی زبان میں نظم کے طور پر قلمبند کیا۔ یہ قلمی نُسخہ بھی شیخ محمد لطیف کے پاس ہے۔ معلوم نہیں کون سی

وجوہات کے باعث یہ شائع نہ ہو سکا۔ کشف المحجوب کا یہ قلمی نسخہ منشی امیر بخش مرحوم نے ۱۹۰۱ء میں مرتب کیا۔ اُس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "میری زبان اتنی شیریں نہیں اور قلم میں طاقت نہیں کہ کشف المحجوب کی تعریف کی جائے۔ اس تصنیف کا لطف وہی اُٹھا سکتے ہیں جن کو فارسی زبان پر عبور حاصل ہو۔ ولیوں کے سردار کی یہ کتاب نسل در نسل عالم اسلام میں پڑھی جائے گی جو قرآن حکیم کی تفسیر بھی ہے اور سنت رسول اللہ کی تلقید بھی"۔ آگے چل کر منشی امیر بخش لکھتے ہیں۔ میری کوئی اولاد نہیں سوائے ایک لڑکی غلام جنت کے جس کو عربی اور فارسی زبانوں کی تعلیم اس حد تک میں نے گھر میں دے دی ہے کہ اب وہ دیوان حافظ اور کشف المحجوب ایسی کتابوں سے استفادہ حاصل کر کے اور دینی احکامات سے آگاہ ہو کر انشاء اللہ تعلیم نسواں کے مقاصد کو پورا کر سکے گی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنے صالح شاگرد ابو سعید ہجویری کو جس کے سوالات کے جواب میں آپ نے کشف المحجوب تحریر فرمائی۔ سب سے پہلا جواب علم کی ضرورت سے متعلق ہی تھا۔ آپ

بغیر علم فقہ کی عبادت کرنے والا اُس گدھے کی مانند ہے جو خراس میں جُتا ہے

فرماتے ہیں "تصوّف کی جڑ قوی اور اُس کی شاخ میوہ دار ہے۔ مگر اُس کی جڑ کو علم کے چشمہ سے پانی ملنا چاہیئے اس لیے کہ سب بزرگانِ تصوّف اہلِ علم ہی ہوئے ہیں" حصولِ علم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علمِ خداوندی اور دوسرا علمِ انسانی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اُس کے بندوں کا علم ہیچ ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"بغیر علمِ فقہ کی عبادت کرنے والا اُس گدھے کی مانند ہے جو خراس میں جُتا ہے" انسانی یا دنیاوی علم کے متعلّق آپ مزید فرماتے ہیں کہ نجوم۔ طب۔ حساب وغیرہ کئی علم و فنون ہیں اگرچہ ہر ایک کا جاننا ضروری نہیں ہے مگر بقدرِ ضرورت اور شریعت کے مطابق سیکھنا ضروری ہے مگر یہ ہدایت بھی کی کہ دنیاوی علم

ظاہر و باطن میں نفع بخشنے والا ہو۔

علمِ حقیقت (دین) کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے اس کو تین ارکان میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اور اُس کی وحدانیت کا علم۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اُس کے احکام کا ذکر۔

۳۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کے فعلوں کا علم۔

پھر آپ نے علمِ شریعت کے تین اہم ذرائع کا ذکر کیا ہے۔ وہ ہیں ۱۔ قرآن ۲۔ سنّت اور ۳۔ اُمّت کا اجتماع۔

مندرجہ بالا علوم کی اقسام پر آپ نے کشف المحجوب میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور بُرہانِ صادقہ سے خدا کی صفتوں اُس کے فعلوں اور اُس کے رسولؐ کی سُنّت اور اُمّت کے اجماع کو ثابت کیا ہے۔

حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کا قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے۔

"یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ" کہ اے

ایمان والو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ ایمان کی تعریف یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات پر اُس کی یگانگت پر اُس کے تمام رسولوں پر تمام صحفِ سماوی پر تمام ملائکہ پر قیامت کے دن پر اور حشر و نشر پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے اور حساب لیے جانے پر اعمال کی جزا اور سزا پر اور بہشت اور دوزخ پر اور تقدیر پر کامل اور سچا ایمان لائے۔

تمام اہل سنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان کامل کا یہ مطلب ہے کہ مندرجہ بالا تمام باتوں پر سچے دل کے ساتھ ایمان لائے۔ بغیر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے بندہ کی نجات نہیں ہو سکتی اور جس وقت تک احکام الٰہی کی اطاعت نہ کی جائے صرف معرفت کے لیے تصدیق کافی نہیں ہوتی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات عالیہ کی اطاعت اور پیروی کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے فرمایا ہر مومن مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ قرآنِ پاک کے احکامات کی کبھی بھی خلاف ورزی

نہ کرے۔ صوفی خواہ تصوّف کے بلند ترین مقام پر پہنچ کر اسرارِ تصوّف سے کتنا ہی آشنا کیوں نہ ہو جائے اُس کو احکامِ شریعت سے روگردانی نہیں کرنی چاہیئے۔

ایمان کی تعریف اور تشریح کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ نے توحید کے موضوع پر بڑی مدلّل اور مفصّل بحث فرمائی ہے اور قرآنِ پاک کی آیات کی روشنی میں فرمایا کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے اور توحید کے ضمن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ حدیث بیان کی کہ تم میں سے پہلے ایک شخص نے حفظِ توحید کے علاوہ کوئی نیک کام نہیں کیا تھا اُس نے مرنے سے پیشتر اپنے عزیزوں اقارب کو یہ وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرے جسم کو جلا کر آدھی راکھ دریا میں بہا دینا اور آدھی راکھ ہوا میں اڑا دینا تا کہ میرا کوئی نشان باقی نہ رہے چنانچہ اُس کے مرنے کے بعد اُس کے اعزا نے اُس کی وصیّت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پانی اور ہوا کو حکم دیا کہ قیامت تک اس بندہ کی راکھ کو محفوظ رکھنا ضائع نہ کرنا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بندے کو زندہ کر کے دریافت فرمائے گا کہ تو نے اس قسم کی

وصیت کیوں کی تھی وہ بندہ جواب میں عرض کرے گا اے باری تعالیٰ میرے پاس کوئی اعمالِ صالح نہیں تھے میں نے اپنی زندگی میں کوئی نیک کام نہ کیا تھا اس وجہ سے اپنی بداعمالیوں کی بنا پر مجھ کو تیرے سامنے پیش ہونے اور عاجز ہوتے ہوئے شرم آتی تھی اس لیے میں نے ایسا کیا تھا۔ یہ جواب سُن کر اللہ تعالیٰ اس بندہ کو بخش دیں گے اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصل چیز انسان کی زندگی میں عقیدہ توحید اور حفاظتِ توحید ہے اور اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ ایک گنہگار کے گناہ بھی معاف فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں واحد و یکتا ہے۔ اُس کے کاموں اور حکموں میں نہ کوئی اُس کا مثل ہے اور نہ کوئی شریک ہے۔ اُس کی ہستی لامکان ہے۔ دائمی اور ابدی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ نماز کے لغوی معنی ذکر الٰہی کرنا اور احکام الٰہی کی اطاعت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو پانچ مرتبہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے تو نماز کی ادائیگی کے لیے پانچ شرائط کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ پہلی شرط

ظاہری قبلہ جس کی طرف لوگ منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں وہ خانہ کعبہ ہے۔ لیکن باطنی قبلہ عرش معلّٰی ہے جس سے مشاہدہ حق مقصود ہوتا ہے۔

یہ ہے کہ جسم ظاہری اور جسمانی طہارت سے پاک و صاف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ شرک اور خواہشات نفسانی سے باطن اور قلب پاک و صاف ہوں۔ جسم کے کپڑے پاک ہوں روزی حلال کی ہو اور جس جگہ نماز ادا کی جائے وہ جگہ پاک ہو اور منہ قبلہ کی طرف ہو۔ ظاہری قبلہ جس کی طرف منہ کر کے لوگ نماز ادا کرتے ہیں وہ خانہ کعبہ ہے لیکن باطنی قبلہ عرش معلّٰی ہے جس سے مشاہدہ حق مقصود ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں روایت ہے کہ جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسی کہ ایک کھولتی ہوئی دیگ میں سے نکلتی ہے اور حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے آپ کا بدن کانپنے لگتا تھا اور

فرمایا کرتے تھے کہ جس کی امانت کو آسمان زمین اور پہاڑ بھی نہیں اُٹھا سکتے اُس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا ہے۔

میں ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے کرتا ہوں۔ حضرت حاتم اصمؒ

جب حضرت حاتم اصمؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں نماز ادا کرنے سے پہلے ظاہری اور باطنی وضو کرتا ہوں۔ ظاہر وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے کرتا ہوں۔ پھر جب نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو مسجد حرام کا مشاہدہ کرتا ہوں اور جب سجدہ کرتا ہوں تو دو آبروؤں کے درمیان مقام ابراہیمی کا مشاہدہ کرتا ہوں اور میرے نزدیک نماز میں ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ اور اُس کے مشاہدہ کی لذتوں میں محو ہونا ضروری ہے۔ میں جب تکبیر کہتا ہوں تو بڑے ادب و احترام کے ساتھ کہتا ہوں اور عزت کے ساتھ قیام کرتا ہوں۔

اور نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ رکوع میں جاتا ہوں اور عاجزی اور توقیر کے ساتھ نماز میں بیٹھتا ہوں اور خداوند تعالیٰ کی ثناء اور تعریف کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔

فرمایا حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ نے کہ بزرگان دین اور اولیائے کرام اپنے مریدوں کو تاکید کرتے تھے کہ وہ دن رات میں چار سو رکعت نماز ادا کریں جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جسم و رُوح کو نماز پڑھنے کی عادت ہو جاتی تھی اور نماز کے ساتھ اُنس اور رابطہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور جب اہل استقامت حضرات کو بارگاہ ایزدی میں قبولیت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ بطور شکریہ کے نماز پڑھا کرتے ہیں۔

جب نبی کریمؐ شبِ معراج مقام قربِ خاص میں پہنچے تو آپ نے بارگاہِ قدس میں عرض کیا کہ اے اللہ تو مجھ کو دوبارہ دُنیا میں نہ بھیجنا۔ مگر خداوند تعالیٰ نے کیا کہا؟

نماز کے ضمن میں ہی کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کمال محویت کا عالم طاری ہوتا اور آپ راحت کے طالب ہوتے تو

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے "اے بلال اذان دو تاکہ ہم نماز کے ذریعہ آرام اور اطمینان حاصل کریں اور اس کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج قرب خاص میں پہنچے اور دنیاوی قیود سے نفس آزاد ہوا اور آپؐ عالم مادی سے بالکل بے تعلق ہو گئے تو آپؐ نے بارگاہ قدس میں عرض کیا کہ اے اللہ اب جب کہ تُو نے مجھے اس عالم قدس اور عالم لاہوت میں بلایا ہے تو مجھے دوبارہ مادی دنیا میں بھیج کر علائق دنیا میں مبتلا نہ کرنا لیکن بارگاہ حق سے ارشاد ہوا کہ ہمارا حکم یہی ہے کہ آپ دُنیا میں واپس جا کر اپنے اسوۂ حسنہ سے دین و شریعت کی تبلیغ کریں۔ اور یہی سرور و کیف جو آپ کو یہاں حاصل ہوا ہے وہی دُنیا میں حاصل ہو گا۔ چنانچہ معراج سے واپسی پر جب آپؐ کے دل کو عرشِ معلّٰی اور معراج کی روحانی لذّت و کیف کی خواہش ہوتی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے اے بلال ہماری رُوح کو نماز سے سکون اور راحت بخشو اس لیے کہ آپ کی نماز بمنزلہ معراج کے ہوتی تھی اور آپ کو نماز میں وہی وجد و کیف

سرور حاصل ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ قربِ الٰہی کی نعمتوں سے سرشار ہو کر آپکی نماز آپ کے لیے ٹھنڈک بن جاتی تھی اس لیے آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔

روزہ دار کو اپنی آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ سے ممنوع کاموں سے باز رہنا چاہیے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ نے کہ شروع ماہ رمضان سے ماہ شوال کا چاند دیکھنے تک ایک ماہ کے مکمل روزے اہتمام اور پابندی کے ساتھ رکھنا ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہیں اور تزکیہ باطن کے ساتھ روزانہ روزہ کی نیّت کرنا ضروری ہے اور روزے کے لیے کئی شرائط ہیں۔ اُن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ پیٹ کو زیادہ کھانے پینے سے آنکھوں کو ہر ناجائز چیز کے دیکھنے سے کانوں کو غیبت، جھوٹ اور لغو باتیں سُننے سے، زبان کی بے ہودہ گوئی سے اور تمام بدن کو خلاف شرع کاموں سے احتراز کرنا چاہیئے جیسے کہ

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار کو اپنی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ اور تمام بدن کے اعضا کو ممنوع اور حرام کاموں سے باز رہنا چاہیئے اور جو روزہ کی حالت میں حرام اور ناشرع کاموں سے پرہیز نہیں کرتے اُن کے بارے میں حضور پاکؐ کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگوں کو روزہ رکھ کر سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نبی کریمؐ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کو خواب میں کیا نصیحت کی؟

حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپؐ مجھ کو نصیحت فرمائیے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے حواس خمسہ کو اپنے قابو میں رکھا کرو اور فرمایا کہ سب سے بڑی ریاضت حواس خمسہ کو غیر شرعی باتوں اور کاموں سے باز رکھنا ہے اور ایمان اور تقویٰ

کی سلامتی کا یہی ذریعہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے مزید فرمایا کہ روزہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان صرف روزہ رکھ لے اور روزہ کی جو شرائط ہیں اُن کو پُورا نہ کرے بلکہ شرعی طور پر اصل روزہ وہ ہے کہ انسان روزہ کی حالت میں نفسانی خواہشات سے اجتناب کرے اور محرمات سے قطعاً پرہیز کرے اور جو لوگ فرضی روزہ کو تو چھوڑ دیتے ہیں اور اُس کو کوئی اہمیّت نہیں دیتے اور نفلی روزے پابندی سے رکھتے ہیں اُن پر بڑا تعجّب ہے۔

روایت ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ جس دن پیدا ہوئے اُس دن شام تک آپ نے دودھ نہیں پیا گویا اس طرح آپ اس روز روزہ سے رہے اور جس دن آپ کا انتقال ہُوا اُس دن بھی آپ کا روزہ تھا۔ آپ مہینہ میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھایا کرتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں عید تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ لیکن یہ طاقت اور قوّت تائید ربّانی سے حاصل ہوتی ہے۔ عام لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ

اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ ابونصر سراج طاؤس رمضان المبارک میں بغداد تشریف لے گئے اور مسجد شونیزیہ میں ایک الگ حجرہ میں قیام فرمایا۔ آپ روزانہ رات کو تراویح میں پانچ کلام پاک سنایا کرتے۔ روزانہ رات کو آپ کا کھانا حجرہ میں رکھ دیا جاتا۔ جب آپ عید کے روز عید کی نماز کے واسطے تشریف لے گئے تو اس روز آپ کے حجرہ میں تیس روز کا کھانا موجود تھا سیّد مخدوم علی ہجویری ؒ ایک اور روایت کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ادھم ؒ کے بارے میں یہ حقیقت ہے کہ آپ سارا رمضان کچھ نہیں کھایا کرتے تھے اور باوجود موسم گرما کے دن بھر محنت مزدوری کرتے اور جو کچھ آپ کو دن بھر کی مزدوری ملتی اُس کو درویشوں میں تقسیم فرما دیا کرتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ باوجود کوشش کے کسی نے آپ کو کھاتے پیتے اور سوتے نہیں دیکھا۔

اولیائے کرام کیسے مخفی طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں؟

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ مرو میں دو بزرگ رہتے تھے ایک کا نام مسعودؒ تھا اور دوسرے کا بو علیؒ تھا۔ شیخ مسعودؒ نے حضرت بو علیؒ سے کہلا بھیجا کہ اس طرح چالیس دن کا اعتکاف کریں کہ کھانا بالکل نہ کھائیں گے۔ اس کے جواب میں شیخ بو علیؒ نے شیخ مسعودؒ کو کہلا بھیجا کہ ہم اس طرح اعتکاف کریں گے کہ دن میں تین دفعہ کھانے کے باوجود چالیس دن تک ایک ہی وضو سے رہیں گے اور وضو نہیں ٹوٹے گا۔

بہر حال بزرگانِ دین اور اولیائے کرام چلّہ کشی کی حالت میں ذکر و عبادت اور ریاضت اور مجاہدہ میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ یہ لوگ اہل راز ہیں اور خداوند تعالیٰ نے اُن کو ایسی باطنی قوتیں عطا کی ہیں کہ وہ ذاتِ خداوندی کے ساتھ مکاشفہ مشاہدہ اور مکالمہ کر سکتے ہیں اور جب وہ کلام الٰہی اپنے کانوں سے

سننا چاہتے ہیں تو بحالتِ مراقبہ چالیس روز تک بھوکے رہتے ہیں اور اس کے درمیان میں پابندی کے ساتھ مسواک استعمال کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مخفی طریقہ سے ان سے ہم کلام ہوتا ہے اور ان کے دل و دماغ کو اپنی تجلّیات سے روشن اور منوّر فرماتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے صوفیا کرام کو چاہیے کہ وہ چالیس روز کچھ نہ کھائیں تاکہ اُن کی بشری خصوصیات مغلوب ہو جائیں اُن کے قلوب میں جلا و لطافت حاصل ہو اور وہ مقام ولایت کے بلند مراتب پر فائز ہو سکیں۔

حج کے آداب عوام کے لیے اور عارفانِ حق کے لیے کیا ہیں؟

حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ بیان فرماتے ہیں کہ ارکانِ اسلام اور فرائض میں حج کی ادائیگی بھی فرض عین ہے بشرطیکہ بندہ مسلمان بالغ عاقل ہو اور صاحبِ استطاعت ہو فرمایا حج کے آداب کی بجا آوری لازمی اور ضروری ہے۔ حاجی کو بغیر احرام باندھے

حرم میں نہیں جانا چاہیے ۔ اور جب احرام باندھا جائے تو تمام نفسانی خواہشات اور دنیاوی معاملات سے اجتناب کرنا اور بچنا چاہیئے ۔ نیز آداب احرام میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زبان یا ہاتھ کے ذریعہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے ۔ عرفات میں ٹھہرنے کے بعد وہاں سے مزدلفہ اور مشعر الحرام میں جانا چاہیئے۔ پتھر اٹھانا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنا ۔ منا میں تین دن قیام کرنا اور شرائط کی پابندی کے ساتھ پتھر پھینکنا اور وہیں پر سر کے بال منڈوانا اور قربانی دینے کے بعد کپڑے پہننا یہ سب حج کے اداب عوام کے لیے ہیں ۔ ایک عارف حق کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ حج کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے تمام محرمات اور ممنوع چیزوں سے اور خواہشاتِ نفس سے توبہ کرے ۔ عارف کے دِل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی محبّت اور الفت جاگزین نہ ہو اور میدانِ عرفات میں قیام معرفت کے بعد محبت اور عشق کے جذبہ سے سرشار ہو کر مزدلفہ جائے اور جب طواف کرے تو خود کو خدا کے حرم میں لے جائے اور جب منا میں جائے تو حرص

اور خیالاتِ فاسدہ کے پتھر پھینکے اور مجاہدہ کی قربان گاہ میں اپنے نفس کو قربان کر دے۔ اس طریقہ پر حج کرنے سے عارف تمام شیاطین اور اُن کے مُضر اثرات سے محفوظ رہ کر مقامِ ابراہیمی میں داخل ہو جاتا ہے۔

جب تو نے احرام باندھا تو کیا صفاتِ بشریہ کو بھی اپنے سے جدا کیا؟ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران کیا تو نے جمالِ حق کے مناظر دیکھے؟ صفا اور مروہ کے دوران کیا تو نے باطنی طور پر کوئی مشاہدات کیے؟

حضرت جنید بغدادی

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص حج کر کے حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہاں سے آ رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا حج کر کے آ رہا ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے واقعی حج کیا ہے۔ اُس نے کہا جی ہاں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے اس شخص سے

کچھ سوالات کیے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو نے گھر سے حج کے لیے کوچ کیا تھا تو اُس وقت تُو نے گناہ سے کوُچ نہیں کیا تھا۔ تُو نے گھر سے نکلنے کے بعد جس جس منزل میں قیام کیا اگر تُو نے ساتھ ساتھ راہِ خدا کے مقامات کو طے نہیں کیا تو تُو نے سفر حج کے منازل کو بھی طے نہیں کیا۔ جب تو نے احرام باندھا اور جس طرح وہاں پر کپڑے اتارے تو اگر تُو نے کپڑوں کے ساتھ اپنی بشری صفات کو علیحدہ نہیں کیا۔ گویا تو نے احرام ہی نہیں باندھا۔ جب تو عرفات میں کھڑا ہوا اور تجھ کو مجاہدہ کے کشف سے واقفیت نہیں ہوئی تو تُو عرفات میں بھی کھڑا نہیں ہوا۔ جب تُو نے صفا اور مروہ کی سعی کے دوران بارگاہ خداوندی کے جمالات کو نہیں دیکھا تو تُو نے طواف بھی نہیں کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تُو نے حج کے آداب و شرائط کو پُورا نہیں کیا اور دوبارہ حج کو جاکر باقاعدہ حج کو ادا کرتا کہ تُو خانہ کعبہ میں پہنچ کر مقام ابراہیم علیہ السلام تک رسائی کر لے۔ حج کا یہ مطلب نہیں کہ حاجی بیت اللہ کا دیدار کر کے اور پتھروں کی زیارت کر کے گھر واپس آجائے بلکہ

حج کا مقصد مشاہدہ اور مکاشفہ ہے۔ وہ شخص بہت نادم ہُوا اور اقرار کیا کہ آئندہ ان بنیادی اصولوں کی پیروی حج کے دوران ضرور کریگا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے تصدیق کرائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں میری تصدیق مطلوب نہیں ہونا چاہیئے بلکہ تمہارے ہر فعل میں تائیدِ ربّانی ہونا چاہیئے۔ آپ نے اس شخص کے لیے دعا فرمائی اور وہ بامقصد حصولِ علم کے بعد رخصت ہُوا۔

اہلِ طریقت اور عارف کے نزدیک باطنی نعمتوں کی بھی زکوٰۃ لازمی ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ زکوٰۃ صرف مال اور پیسہ ہی پر واجب نہیں بلکہ ہر نعمت پر اس کی ادائیگی فرض ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کی روح اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔ کسی شخص کے پاس دوسو درہم ہوں تو اُس پر پانچ درہم واجب ہیں اور بیس دینار پر نصف درہم۔ اسی طرح

جاہ ومنزلت کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا لازم ہے۔ انسان اگر کسی بلند مرتبہ پر فائز ہو تو چونکہ یہ بزرگی اور فضیلت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس لیے اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے۔

حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمام چیزوں پر زکوٰۃ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر مال ونعمت کی زکوٰۃ فرض کی ہے اس طرح تمھاری جاہ ومنزلت کی زکوٰۃ بھی تم پر فرض ہے اور تمھارے گھر کی زکوٰۃ اچھی مہمان داری ہے صحت اور تندرستی بھی خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہے اور تندرستی کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جسمِ انسانی کے تمام اجزا خداوند تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں مشغول رہیں اور چونکہ باطن اور روح تمام نعمتوں سے افضل ہیں اس کی زکوٰۃ کا حق بھی ادا ہونا چاہیئے اور اس کی زکوٰۃ کثرتِ ذکرِ الٰہی اور عرفانِ نفس ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ طریقت اور عارف کے نزدیک جس طرح ظاہری نعمتوں کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اس طرح باطنی نعمتوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے باطنی اور روحانی نعمتوں کی زکوٰۃ حفظِ توحید۔ کثرتِ ذکرِ الٰہی اور تزکیہ نفس ہے۔

باب پنجم

روحانی نظام

تاکہ ہمیشہ حق کے نشانات اور رسول کریمؐ کی سچائی کی دلیل قائم رہے۔ اولیائے کرام کو عالم کا متصرف کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تنہا اللہ تعالیٰ کی بات کے لیے وقف ہو گئے ہیں اور مسلمان اُن کی دعا اور توجہ سے راہِ حق پر قائم ہیں۔ یہ تعداد میں چار ہزار ہیں اور ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور جو اولیاء اللہ عالم ہیں اہل تصرّف ہیں اور درگاہِ حق کے سرلشکر ہیں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اپنے فرائض میں ایک دوسرے کے اذن کے محتاج ہیں۔ عام اہلِ سنت اس بات کی صحت پر متفق ہیں۔ ان کی درجہ بندی حسبِ ذیل ہے:

۱۔ اخیار تعداد میں تین سو ہیں۔
۲۔ ابدال تعداد میں چالیس ہیں۔
۳۔ ابرار تعداد میں سات ہیں۔
۴۔ اوتاد تعداد میں چار ہیں۔
۵۔ نقیب تعداد میں تین ہیں۔
۶۔ قطب (صاحبِ وقت) ایک ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ

مکّہ میں ایک بار یہودیوں نے کفارِ قریش کو اکسایا کہ وہ رسولِ پاکؐ کے پاس جاکر رُوح کی کیفیت سے متعلّق دریافت کریں۔ اُن کو یہ زُعم تھا کہ رسول کریمؐ کے پاس اس مشکل اور نازک ترین موضوع پر کوئی خاطر خواہ جواب نہ ہوگا اور کفار کو ایک موقع میسّر آسکے گا جس سے وہ رسول اللہ کا مذاق اڑا سکیں۔ چنانچہ نضر بن الحارث آپؐ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ وہ سمجھائیں رُوح کیا ہے۔ فوری طور پر وحی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا:

"وہ لوگ آپ سے رُوح کے متعلّق پوچھتے ہیں۔
آپ کہہ دیں کہ رُوح امرِ ربیّ ہے۔"

یہ جواب سُن کر نضر بن الحارث حیرت زدہ ہوگیا۔ اور اُس نے جب کفّار کو رسولِ کریمؐ کا جواب سُنایا تو وہ بھی لاجواب ہوگئے۔

یہاں ہمیں اختلاف ہے اُن ملحدوں سے جو یہ کہتے ہیں کہ رُوح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جس قدر خلقت اس گمراہی میں مبتلا ہے شاید ہی کسی اور گمراہی میں مبتلا ہو۔ جس طرح رُوح کے لیے دو زندگیاں نہیں ہو سکتیں رُوح کے لیے دو جسم نہیں ہو سکتے" رُوح مخلوق ہے۔ تابع فرمان الٰہی ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے غلط راستہ پر ہیں۔ جب ظاہر بینوں نے اس قسم کی حکایت اہل اصول سے سُنی تو خیال کیا کہ سب اہل تصوّف کا یہی عقیدہ ہے اُنھیں صریحاً دھوکا ہوا علم تصوّف کا نور اُن سے مستور رہا۔ اولیاء اللہ کا جمال اُن سے روپوش رہا۔ نور حق کی چمک اُنھیں نظر نہ آسکی۔ یہ یاد رہے کہ بزرگانِ حق اور ساداتِ قوم کے لیے عوام النّاس کا ردّ و قبول یکساں حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ

رُوحانی نظام

رُوحانی نظام سے متعلّق اولیاء اللہ نے اپنے کلام کے ذریعہ اور تصانیف کی معرفت بہت دلچسپ انکشافات کیے ہیں ۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں جو فارسی میں ہے واضح طور پر روحانی نظام پر تبصرہ کیا ہے۔کشف المحجوب کے انگریزی مترجّم آر۔اے نکلسن نے بھی ایک تصوّف پر کتاب لکھی ہے اس نے بھی روحانی نظام کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح آربری نے صوفیا کرام کے فوائد کے موضوع پر حضرت ابوبکر الکلابیؒ کی عربی کتاب کا انگریزی ترجمہ کیا ہے ۔ اور محققین اس امر پر متفق ہیں کہ دنیاوی نظام کے پہلو بہ پہلو روحانی نظام بھی موجود ہوتا ہے ۔

دنیاوی نظام ظاہری طور پر نظر آتا ہے مگر روحانی نظام عالمِ روحانیت میں قائم ہوتا ہے۔

دُنیا کی تواریخ کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر موجودہ دور تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ روحانی نظام کا قیام نہ ہُوا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ دنیاوی نظام ظاہری طور پر نظر آتا ہے مگر روحانی نظام اگرچہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے مگر عالمِ رُوحانیت میں قائم ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں نظاموں کا تجزیہ کیا جاوے تو معلوم ہو گا کہ روحانی نظام نہایت جامع اور مثالی ہوتا ہے جہاں چوں وچراں کی کوئی گنجائش نہیں مگر اس کے برعکس دنیاوی نظام میں اکثر اوقات اقتدار، کشت وخون اور طاقت کے بل بوتہ پر حاصل ہو جاتا ہے۔ جب سے دنیا قائم ہے روحانی نظام میں ایک بھی مثال نہیں ملے گی جہاں کسی ایک رُکن نے کسی دُوسرے رُکن کو طابع کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا ہو بلکہ

حد تو یہ ہے کہ روحانی نظام اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ اس میں کسی غلط فیصلہ کا امکان نہیں ہوتا اور کسی ناواجب رکن کا تقرر خارج الامکان ہے۔

روحانی نظام کیا ہے یہ کس طرح عمل میں آیا؟ اور اس کی دائمی حیثیت کیا ہے؟ شیخ سیّد اشرف جہانگیر سمنانی نے اپنی کتاب ملفوظات میں جو فارسی زبان میں ہے لطیف انداز میں اس نظام پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز آنحضرت رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے صحابہ کرام کے ساتھ ہوا۔ نبی اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب حُبِّ دنیا سے گریزاں تھے دُنیا کی چمک دمک سے بے نیاز تھے۔ جاہ و جلال زیب و نمائش کا آپؐ کی زندگی میں ذرا بھر بھی دخل نہ تھا وہ صرف خُدا کی طرف راغب تھے اور زندگی کے ہر مرحلہ پر خداوند کریم سے ہی لو لگاتے تھے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے زندہ تھے اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی جامِ شہادت نوش فرماتے تھے۔ اُن کا جینا اور مرنا دنیا والوں کے لیے نہ تھا

صرف خدا کے لیے تھا۔

ہمارے رسولِ کریمؐ کی روحانی زندگی کا آغاز غارِ حرا کی تنہائیو میں ہُوا جہاں وہ دنیا سے الگ تھلگ دن رات اپنی زندگی وہاں بسر کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ غارِ حرا میں کافی عر بسر کرنے کے بعد آپؐ پر نبوّت یا وحی نازل ہوئی مگر جہاں تک روحانی زندگی کا آغاز تھا یہ غارِ حرا میں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا آپؐ کی ساری ریاضت۔ مجاہدہ اور مشاہدہ کا منبع غارِ حرا ہی تھا۔ دراصل رسولِ کریمؐ نے تصوّف کا بیج یہاں ہی بویا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کی روحانی زندگی کا آغاز رسولِ کریمؐ کی تقلید تھی اور اس تقلید میں وہ والہانہ عقیدت تھی جس کی مثال تاریخ میں مشکل ہے۔ حضرت بلالؓ۔ سلمان فارسیؓ کا شمار بھی اسی صف اوّل میں ہے۔ ان کی دنیاوی زندگی مختصر مگر روحانی زندگی بہت طویل ہے۔

صرف عارفِ حق ہی روحانی نظام میں داخل ہوتا ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ صرف عارفِ حق ہی روحانی نظام میں داخل ہوتا ہے ۔ عارفِ حق وحدانیت کا اقرار کرتا ہے اور اُس سے متعلّق صحیح علم ہونے کا مدعی بھی ہوتا ہے ۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ حق تعالیٰ محدود نہیں ۔ وہ کسی مکان میں مکین نہیں ۔ وہ رُوح نہیں کہ جسم کا ضرورت مند ہو ۔ جسم نہیں کہ اُس کی تالیف اجزا سے ہو ۔ وُہ کسی چیز میں مدغم نہیں ۔ کسی چیز سے اُس کو رشتہ نہیں ۔ ہر نقصان سے بَرّی ہے ۔ ہر تنقص سے پاک ہے ۔ سب آفات وعیوب سے مبرّا ہے ۔ اُس کا کوئی فرزند نہیں ۔ حیّ و علیم ہے ۔ روف و رحیم ہے ۔ مرید و قدیر ہے ۔ سمیعُ البصیر ہے ۔ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے ۔ اُس کے احکام اٹل ہیں ۔ وہی خیر و شر کی قدریں قائم کرتا ہے ۔ نفع و ضرر کا خالق وہی ہے ۔ اُس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ۔ توحید

کسی چیز کے وحدانیت کے اقرار کا نام ہے۔ اقرار بغیر علم کے نہیں ہو سکتا۔ اہل سُنّت والجماعت نے اقرار وحدانیت کی بنیاد تحقیق پر رکھی ہے۔ ہمارے سامنے کارخانہ کائنات ہے جس میں بے حد و بے شمار عجیب اور لطیف اشیا موجود ہیں۔ یہ ازخود معرض وجود میں نہیں آئیں۔ ہر چیز میں علاماتِ حدث موجود ہیں۔ لامحالہ اُن کا کوئی فاعل ہونا چاہیئے جس سے اُن کو عدم سے وجود کی صورت دی۔ زمین و آسمان۔ آفتاب و مہتاب۔ سمندر و پہاڑ۔ دست و صحرا۔ حرکت و سکون۔ موت و حیات الغرض سب چیزوں کے لیے صفت گر لازمی ہے۔ اور صفت گر بھی ایک اور صرف ایک جو خالقِ حقیقی خداوند تعالیٰ ہے۔

چار ہزار اولیائے اکرام روپوش ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے ناآشنا ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں اس بات کا اظہار

یوں کیا ہے "اللہ تعالیٰ نے بُرہانِ نبوّت کو دوام بخشا ہے اور اولیائے اکرام کو اُن کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ وہ ہمیشہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رشد و ہدایات اور صدق کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ گویا والیانِ عالم ہیں وہ صرف اُسی ذات کے تابع فرمان ہیں اُن کی برکات سے آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ اُن کے صفائے باطن کے طفیل اللہ کی زمین سے نباتات پھوٹتی ہے اُن کی توجّہ سے مُسلمان کفار پر فتحیاب ہوتے ہیں۔ اُن اولیائے کرام میں چار ہزار روپوش ہیں وہ ایک دوسرے سے ناآشنا ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی خوبی باطن سے بھی آگاہ نہیں۔ ہر حال میں روپوش رہتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس معاملہ میں خبر عیاں میسّر ہوئی۔ اہل بست وکشاد اور درگاہ حق کے پہرہ دار تین سو ہیں اور اخیار کہلاتے ہیں۔ چالیس اور ہیں جنھیں ابدال کہتے ہیں۔ سات اور ہیں جو ابرار مشہور ہیں۔ چار اور جنھیں اوتاد کہتے ہیں تین اور جو نقیب کہلاتے ہیں اور ایک اور جسے قطب یا غوث کہتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور روحانی نظام

میں ایک دوسرے سے اجازت کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ احادیث اور روایات اس پر ناطق ہیں اور اہل حقیقت اس کی صحت پر متفق ہیں یہاں مقصد یہ نہیں کہ اس کی طویل تشریح کی جائے۔ عام اعتراض یہ ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کو پہچانتے اور جانتے ہیں کہ اُن میں سے ہر فرد ولی ہے تو ان سب کو اپنی عاقبت سے مطمئن اور بے نیاز ہو جانا چاہیئے۔ لیکن یہ امر محال ہے کہ ولائت کی پہچان عاقبت سے مطمئن کر دے۔ جب یہ روا ہے کہ مومن کو اپنے ایمان کی خبر ہوتی ہے اور وہ مطمئن اور بے نیاز نہیں ہوتا تو یہ بھی روا ہے کہ ولی کو اپنی ولائیت کا علم ہوتا ہے اور وہ مطمئن اور بے نیاز نہیں ہوتا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ازراہ کرامت باری تعالیٰ ولی کو اُس کی نیک عاقبت سے آگاہ کر دے۔

میں سیّد علی ہجویریؒ بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ اگر ولی خود کو ولی جانتا ہو تو اس میں کیا نقصان یا مصیبت ہے۔"

ولی وہ ہے جسے کوئی خوف لاحق نہ ہو

اسی موزوں پر حضرت سیّد علی ہجویریؒ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

ایک دفعہ حضرت جنید نے فرمایا ولی وہ ہے جسے کوئی خوف لاحق نہ ہو کیونکہ خوف اُس چیز کا ہوتا ہے جس کے اجمال سے دل میں کراہت ہو یا اس خیال سے ہوتا ہے کہ محبوب جو اب سامنے ہے غمِ فراق میں مبتلا نہ کر دے۔ ولی کے لیے کوئی باعثِ ہراس نہیں ہو سکتا۔ باری تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے

اَوْلِیَآءَ اللّٰہُ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ

ترجمہ: اولیأ اللہ کے لیے کوئی حزن و ملال نہیں اور نہ وہ غم زدہ ہوتے ہیں۔

جب کوئی ولی گناہ کبیرہ کر بیٹھے تو وہ ولایت سے معزول ہو جاتا ہے۔

سچّے ولی سے کرامت کا ظہور جائز ہے اس امر پر عام اہل سنّت والجماعت کا اتفاق ہے اور یہ بات محال نہیں ہے کرامت وہ خلاف عادت قول یا فعل ہے جو کسی نیک آدمی سے تکلیف شرعی کی موجودگی میں سرزد ہوتا ہے۔ کرامت درست ہے لیکن حدّ معجزہ تک نہیں مثلاً دعا کا قبول ہونا اور

مراد کا حاصل ہونا اور اسی قسم کے دوسرے افعال کا ظہور جو عادت کے خلاف ہوں۔

اس لیے کرامت وہ خلافِ عادت فعل ہے۔ جو کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ معجزات وہ خلافِ عادت امور ہیں جو کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔

اولیاء معصوم نہیں ہوتے۔ عصمت صرف نبوّت کی شرط ہے۔ ولائیت کی شرط بندگی پر قائم رہنا ہے اور جب گناہ کبیرہ کسی ولی سے سرزد ہو جائے تو وہ ولایت سے معزول ہو جاتا ہے۔

اوتاد ہر شب جہاں کے گرد چکر کاٹتا ہے

اہلِ تصوّف میں مشہور ہے کہ اوتاد ہر شب جہاں کے گرد چکر کاٹتا ہے اگر کوئی جگہ نظر انداز ہو جائے اور وہاں خلل رونما ہو تو یہ قطب کو اطلاع دیتے ہیں تاکہ وہ توجہ دے اور اُس کی برکت سے وہ خلل رفع ہو جائے۔

حقیقت وماہیت کے تحت حضرت داتا گنج بخش رحؒ کشف المحجوب میں فرماتے
ہیں کہ آنحضرت نے نہایت جامع الفاظ میں اولیاء اللہ کے فضائل بیان کرتے
ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ خدا کے
انبیاء اور شہداء ان پر رشک کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ کون
ہیں ؟ آپ ہمیں ان کی صفات بتائیں تا کہ ہم دیگر مخلوقات سے اُن کا امتیاز
کر سکیں۔ فرمایا وہ لوگ بغیر کسی اغراض کے ذاتِ خداوندی سے عشق
رکھتے ہیں۔ اُن کے چہرے نورِ توحید سے منوّر ہیں۔ جس وقت تمام
لوگ خوف زدہ ہوتے ہیں اُن پر قطعاً کوئی خوف طاری نہیں ہوتا
اور اُن پر کوئی غم حاوی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے انھیں ہوا و ہوس کی
پیروی سے نجات بخشی ہے یہاں تک کہ اُن کی محبت و مودت اللہ
تعالیٰ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ہے۔ ایسے اولیاء اللہ ہم سے پہلے
گذشتہ زمانے میں بھی ہوئے ہیں اس زمانہ میں بھی موجود ہیں اور آئندہ
تا قیامت موجود رہیں گے۔ الغرض حکمتِ خداوندی کے تحت جیسے
وہی خوب جانتا ہے وہ اولیاء اپنے آپ ہی سے نہیں بلکہ دیگر مخلوقات
سے بھی پوشیدہ رہتے ہیں۔

درگاہِ حق کے طلب گار کن مراحل سے گزر کر اولیاء ہوجاتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے: وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْ فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ یعنی جو لوگ ہماری ذات وصفات کو سمجھنے اور پانے کے لیے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں ضرور صراطِ مستقیم دکھائیں گے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمہ وقت قرب الٰہی حاصل کیے ہوئے تھے، گناہوں سے محفوظ ومبرّا تھے۔ عاقبت کی تمام سعادتوں سے یقینی طور پر مشرف تھے۔ بایں ہمہ اتنا مجاہدہ کیا کہ ذکر وعبادت کے لیے بھوکے رہتے راتوں کو بیدار رہتے اور وصال کے روزے بھی رکھتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی کثرتِ ریاضت وعبادت پر کئی جگہ تلقین فرمائی کہ عبادت میں تخفیف فرمادیں۔

اس موضوع پر حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں اس بات پر سب متفق ہیں کہ مجاہدہ قابلِ تعریف ہے اور اہلِ طریقت اس کی پاسداری میں مخصوص ہیں اور تمام صوفیوں میں مجاہدہ کا طریق جاری ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری سے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ وہ ایک ماہ میں صرف دو مرتبہ کھانا تناول

کرتے تھے اور اتنی کم غذا کھانے کے باوجود بھی آپ نے بہت طویل عمر پائی ۔ تمام محققین نے مجاہدہ کی روحانی ضرورت و اہمیت کو ثابت کیا ہے اور اس کو مشاہدہ کا سبب گنوایا ہے۔ اس لیے مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ ناممکن ہے اور ہر طالب حق کے لیے خدا کا راستہ پا لینے میں مجاہدہ بہت بڑی تاثیر رکھتا ہے کیونکہ مجاہدے بندہ کے افعال ہوتے ہیں اور مشاہدہ خدا کا عطیہ ۔

حضرت داتا گنج بخشؒ مزید لکھتے ہیں کہ ایک دن محمد بن علیؒ نے ابو بکرؒ کو کہا کہ میں آج کے دن تجھے اپنے ذکر اور مجاہدہ کی جگہ پر لے جاؤں گا ۔ میں نے عرض کیا مجھے بسر و چشم منظور ہے میں آپ کے ساتھ تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک بہت ویران اور گھنا جنگل نمودار ہوا ۔ اس جنگل میں ایک سنہری تخت رکھا ہوا تھا اور ایک سبز و شاداب درخت کے نیچے پانی کا چشمہ جاری تھا ۔ ایک آدمی نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے اس تخت پر جلوہ افروز تھا جب محمد بن علیؒ اس کے پاس گئے تو وہ اٹھا اور آپ کو تخت پر بٹھا دیا ۔ جب تھوڑی دیر ہوئی تو ہر طرف گروہ در گروہ آدمی آنے شروع ہو گئے ۔ پھر اس شخص نے اشارہ کیا اور فوراً آسمان سے

کھانے کی عمدہ چیزیں نازل ہوئیں جو تمام ناظرین نے سیر ہو کر کھائیں
محمد بن علیؒ نے اس مرد سے سوال کیا اور اس نے جواب دیا اور
گفتگو کرتے رہے لیکن میں کسی بات کو نہ سمجھ سکا۔ تھوڑی دیر بعد ہم اجازت
لے کر ترمذ میں واپس ہوئے۔ میں نے عرض کی اے شیخ! وہ جگہ کون سی
تھی اور وہ اجنبی مرد کون تھا؟ آپ نے فرمایا۔ تو نے بھی اس ملاقات سے
بہت بڑی باطنی سعادت حاصل کر لی ہے۔ وہ جگہ بنی اسرائیل کا ترمذ
جنگل تھا اور وہ مرد قطب مدار عالیہ تھا۔ میں نے عرض کی اے شیخ!
ہم لوگ ایک گھڑی میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں کیونکر پہنچے؟
فرمایا اے ابوبکر! تجھے کام وہاں پہنچ جانے سے تھا۔ اس کے اسباب
پوچھنے اور ممکن و ناممکن سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے حضرت داتا
گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ یہ کرامت بھی صاحب کرامت کی صحت حال پر
دلالت کرتی ہے اور انھیں ایک برگزیدہ ولی ثابت کرتی ہے۔

نفس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ اولیأ اسے کیسے قابو کرتے ہیں

نفس کیا ہے؟ اس کی شناخت کیسے کی جائے؟ حضرت داتا گنج بخشؒ
فرماتے ہیں کہ نفس کا اظہار خود بخود انسان کے اعمال سے ہو جاتا ہے اور

اس ظہور کی دو صورتیں ہیں ایک نیکی کی صورت اور دوسرے بدی کی شکل ہیں۔ تکبر۔ حسد۔ بغض و کینہ۔ کذب و غیبت۔ بد دیانتی۔ جھوٹ مکر۔ فریب وغیرہ ایسی برائیاں ہیں کہ ان کو بذریعہ ریاضت و مجاہدہ دفع کیا جا سکتا ہے۔ ریاضت ظاہری افعال سے ثابت ہوتی ہے اور توبہ باطنی اوصاف سے۔ نفس کی دو متضاد کیفیات یعنی خیر اور شر کا ظہور ایسا ہے جیسے ایک ہی جہان میں شیاطین اور ملائکہ۔ بہشت اور دوزخ۔ خدا کا لطف و قہر یکجا موجود رہتے ہیں۔ پس "نفسِ مطمئنہ" ایک ملکوتی نفس ہے جو ذکر اور عبادت سے۔ ریاضت و مجاہدہ سے فروغ پاتا ہے۔ اس کے برعکس "نفسِ امّارہ" جو انسان کو برائی اور خدا کی حکم عدولی کی ترغیب دلاتا ہے اور جس کے باعث ابلیس راندہ درگاہ الٰہی ہوا کے خلاف جہاد تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام مجاہدوں کا کمال ہے۔ اس کے بغیر بندہ خدا کا راستہ نہیں پا سکتا کیونکہ نفسِ امّارہ کی مخالفت میں بندہ کی نجات اور درجات کی بلندی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس نفس کی مخالفت کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں کی مدح و توصیف کی ہے جو اس کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو

اچھی طرح پہچان لیا اُس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ پس درگاہِ حق کے طالب گاروں پر واجب ہے کہ وہ ہمیشہ نفس کے بُرے رجحانات کی مخالفت کریں تاکہ روح و قلب کو توانائی حاصل ہو اور ایمان و یقین کو استحکام نصیب ہو۔

حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ میں نے حکایات میں پایا کہ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو ہوا میں پرواز کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا اتنا بلند درجہ آپ نے کس طرح پایا ہے؟ وہ بولا میں نے نفس امّارہ کو پائمال کیا۔ تب مجھے یہ رتبہ ملا۔ اور محمد بن بلخیؒ سے روایت ہے کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو اپنے نفس اور خواہشات کا بندہ رہ کر بھی بیت اللہ شریف کی طرف جاتا ہے۔ وہ پہلے اپنے نفس کو پائمال کر کے وہ خدا کا قرب و وصل حاصل کیوں نہیں کرتا اور اس کے مشاہدہ سے کیوں مشرف نہیں ہوتا۔

حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روحانی عالم میں بلند مقام پر کیسے پہنچے؟

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے چار رموز جیب سے حاصل کیے ہیں تب سے میں نے

تمام جہاں کے علموں سے نجات پالی ہے۔ اہلِ مجلس نے دریافت کیا وہ کون سے رموز ہیں ؟ آپ نے فرمایا۔ ایک یہ ہے کہ جب سے مَیں نے معلوم کر لیا کہ میرا رزق اللہ تعالیٰ کی جانب سے معیّن کر دیا گیا ہے جو کسی حالت میں کم و بیش نہیں ہو سکتا اس وقت سے میں رزق کے معاملہ میں بالکل بے فکر ہو گیا ہوں یعنی توکّل بر خدا۔ دوسرا جب سے میں نے عرفانِ توحید کو پا لیا ہے اور اُس پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہوں۔ اور تیسرا کہ مجھے جب سے یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے کہ ہر ذی حیات کے لیے موت لازمی ہے۔ مَیں نے موت سے خوفزدہ ہونا چھوڑ دیا ہے اور چوتھا مَیں نے جان لیا ہے کہ میرا ایک خدا ہے اور میرے تمام افعال سے باخبر ہے۔

کشتی میں سوار درویش صاحبِ وقت تھا

حضرت داتا گنج بخش رح نے اپنی کتاب کشف المحجوب کے اسی باب میں مندرجہ ذیل روح پرور واقعہ تحریر فرمایا ہے:

"ذوالنون مصری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ کچھ لوگوں کے ساتھ کشتی میں مصر سے جدّہ جا رہا تھا۔ ایک درویش خرقہ پوش بھی کشتی میں سوار تھا۔ میرے دل میں ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی مگر اس کا رُعب اس قدر تھا کہ مجھے بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی وہ صاحبِ وقت تھا اور کسی حال میں عبادت سے فارغ نظر نہیں آتا تھا سفر کے دوران کسی شخص کی جواہرات کی تھیلی گم ہو گئی مالک نے اس درویش پر تہمت تراشی اور لوگ اُسے سزا دینے کے درپے ہو گئے۔ میں (یعنی ذوالنون مصری) نے کہا اُس پر سختی مت کرو مجھے پوچھنے دو۔ مَیں اُس کے قریب گیا اور نرم لہجہ میں کہا یہ لوگ تمہارے متعلق چوری

کا گمان کرتے ہیں اور سختی کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے انھیں روکا ہے۔ بتاؤ کیا کروں۔ درویش نے رُو بہ آسمان ہو کر کچھ چپکے سے کہا۔ میں نے دیکھا مچھلیاں سطحِ آب پر آگئیں ہر ایک کے مُنہ میں موتی تھا۔ درویش نے ایک موتی تھام کر اس شخص کو دے دیا۔ لوگ ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ وہ سطحِ آب پر اُتر گیا اور چلتا ہوا دُور نکل گیا۔ تھیلی چرانے والا کشتی میں ہی موجود تھا اُس نے تھیلی پانی میں پھینک دی کشتی والے سخت نادم ہوئے۔"

پیرِ طریقت نے ہمّت کی بجائے توکّل کا سہارا لیا۔

اسی ضمن میں سیّد مخدوم علی ہجویریؒ ایک اور دلچسپ واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

"ایک روز میں اپنے پیرِ طریقت کے ہمراہ بیت الجنّ سے دمشق جا رہا تھا بارش ہو رہی تھی اور کیچڑ کے باعث

بمشکل چلا جا رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ پیر صاحب کے کپڑے اور جُوتا خشک ہے۔ مَیں نے پوچھا تو فرمایا مَیں نے اپنی ہمّت کی بجائے توکّل کا سہارا لیا اور باطن کو حرص و ہوا سے پاک کیا اور میرے مولا نے مجھے کیچڑ سے محفوظ رکھا۔"

وُہ پیر بزُرگ اوتاد تھے

اِسی سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخشؒ اپنے ایک ولی اللہ سے متعلق ایک اہم واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"فرغانہ کے ایک گاؤں شلاتک میں اوتادالارض میں سے ایک پیر بزرگ رہتے تھے لوگ اُنھیں باب عمرو کہتے تھے اس علاقہ میں سب درویش مشائخ بزرگ کو باب کہتے ہیں۔ اُن کی رفیقہ حیات بنام فاطمہ تھی۔ مَیں اُن بزرگ کی زیارت کے لیے گیا۔ جب قریب پہنچا تو پوچھا کیوں

آئے ہو۔ عرض کی شیخ کی زیارت کے لیے۔ اور اس امید پر کہ مجھ پر نگاہِ شفقت ہو۔ بزرگ نے فرمایا میں تو خود تمھارے لیے فلاں دن سے تیرے لیے چشم براہ تھا۔ تاکہ میں تجھے دیکھ لوں اور تو اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔ میں نے حساب لگایا تو یہ دن میری ابتدا توبہ کا دن تھا پھر فرمایا سفر بچوں کا کھیل ہے اب آنا ہو تو ہمت سے آؤ۔ شیخ کی زیارت کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جسمانی قرب بیکار چیز ہے۔ پھر کہا فاطمہ جو موجود ہو لاؤ۔ تاکہ یہ درویش کھائے۔ ایک طبق تازہ انگور حالانکہ انگور کا موسم نہ تھا اور ایک طبق کھجور جو فرغانہ میں نہیں ہوتی میرے سامنے آ گئے۔"

یہ کبوتر جو تم نے دیکھا میری صفائے معاملات ہے

اولیاء کرام کی کرامات کا ذکر ایک اور واقعہ سے حضرت

داتا گنج بخشؒ یوں بھی کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں مینا میں ابو سعید کے مزار پر حسب عادت بیٹھا تھا۔ ایک سفید کبوتر آیا اور قبر کے غلاف کے اندر چلا گیا۔ میں سمجھا کسی کا پالتو کبوتر اُڑ کر چلا آیا ہے۔ غلاف اُٹھا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا دوسرے اور تیسرے روز بھی یہی واقعہ نظر آیا۔ مجھے سخت تعجب ہُوا۔ ایک رات شیخ مجھے خواب میں نظر آئے میں نے پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کبوتر میری صفائے معاملات ہے جو ہر روز میری جانشینی کے لیے زیرِ لحد آتی ہے۔"

مندرجہ بالا واقعہ سے اور بے شمار دیگر واقعات سے جو بکثرت کشف المحجوب میں درج ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ اولیاء اللہ کے مزاروں پر اکثر جایا کرتے تھے اور ان کی دعاؤں سے فیضیاب ہونے کی ہمیشہ تمنّا رکھتے تھے۔

ایک اولیاء اللہ نے تصوّف پر اپنی کتاب دریا برد کرادی

ایک اور پیر طریقت سے متعلّق جو اپنے دور کے ولیوں کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے حضرت داتا گنج بخشؒ بزبان ابو وراق یوں فرماتے ہیں۔

"ابو وراق کہتے ہیں کہ ایک روز محمد بن علی حکیم ترمذی نے چند اوراق اپنی تصانیف کے نکال کر مجھے دیئے اور کہا یہ دریائے جیحوں میں ڈال دو۔ میں نے باہر آکر دیکھا تو عجیب وغریب تحریر تھی۔ دریا میں ڈالنے کو طبیعت نہ چاہی۔ میں وہ اوراق اپنے گھر لے آیا اور واپس آکر کہہ دیا کہ دریا میں ڈال آیا ہوں۔ انھوں نے پوچھا کیا دیکھا میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ فرمایا وہ اوراق تم نے دریا میں نہیں ڈالے جاؤ ڈال کر آؤ۔ میں نے سوچا یہ بھلا ایسا کیوں کہتے ہیں کہ دریا میں ڈال دو۔ اور اگر میں دریا میں ڈال دوں گا تو کیا کرامت رو نما

ہوگی۔ آخر میں نے دریا جاکر اُن صفحات کو دریا کے سپُرد کر دیا اُسی وقت پانی کا دھارا پھٹ گیا اور ایک صندوق نمودار ہُوا جس کا ڈھکنا اُٹھا ہوا تھا اور سب اوراق اُس کے اندر چلے گئے تو ڈھکنا بند ہو گیا اور پانی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ میں حکیم ترمذی کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ بولے اب تو نے واقعی میرے اوراق دریا بُرد کر دیئے ہیں۔ مَیں نے عرض کی یا شیخ! خدا کے لیے مجھے بتائیں یہ کیا راز ہے۔ فرمایا میں نے تصوّف پر کتاب لکھی تھی جو ہر آدمی کے لیے لکھنا دشوار تھا۔ حضرت خضر علیہ السّلام نے یہ کتاب مجھ سے طلب کی وہ صندوق مچھلی لائی تھی اللہ نے پانی کو حکم دیا کہ صندوق خضر علیہ السلام کو پہنچا دے۔"

اس واقعہ سے فوری طور پر دو باتیں ذہن میں آتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت محمد بن علی حکیم ترمذیؒ اولیاء اللہ تھے اور اُن کی تصوّف پر کتاب اس قدر قابلِ قدر تھی کہ حضرت خضر علیہ السّلام

نے اس کتاب کے حصول کے لیے خود درخواست کی اور دوئم یہ پتہ چلتا ہے کہ کچھ اولیاء اللہ کا مقام بہت بلند اور ارفع ہوتا ہے۔ ان کے مدارج ہوتے ہیں۔ ان مدارج کا ذکر میں بحوالہ بزرگان دین آگے چل کر درج کروں گا۔ یہ اولیائے اکرام آپس میں کس طرح ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کا رابطہ روحانی نظام میں کیسے اہم حیثیت رکھتا ہے۔

ایک چور ابدال ہوگیا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنے وقت میں غوث اعظم تھے۔ مولانا مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی کتاب خزینۃ الاصفیا ایک دلچسپ واقعہ درج کیا ہے۔

"ایک روز ایک چور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے گھر آیا۔ اندھا ہوگیا اور کچھ نہ لے جا سکا۔ اسی اثنا میں جناب خضر علیہ السلام خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے

عرض کی یا غوث اعظم ایک ابدال فوت ہو گیا ہے۔
جس کے لیے حکم ہو اُسے مرحوم ابدال کی جگہ پر مقرر کر دیا
جائے۔ فرمایا ہمارے ہاں ایک شخص اُمیدوار آیا ہوا
ہے اور ہمارے گھر کے ایک کونے میں چھپا ہوا ہے
جاؤ اُسے باہر لا کر مرحوم ابدال کی جگہ پر مقرر کر دو حضرت
خضر علیہ السّلام اُسے باہر لے آئے خدمت اقدس میں
حاضر کیا وہ شخص ایک ہی نظر میں کیمیا اثر سے بینا ہو کر
مرتبۂ ولائیت کو پہنچ گیا"

یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ قطب یا غوث اعظم یا
صاحبِ وقت روحانی نظام کا سربراہ ہوتا ہے اور اس نظام
میں مختلف مدارج کے اولیاء اللہ ایک دوسرے سے منسلک
ہوتے ہیں یعنی اُسی طرح جس طرح دنیاوی نظام میں ایک
سربراہ مملکت ہوتا ہے اُس کے ماتحت وزیر یا مشیر اور
صوبوں میں گورنر ہوتے ہیں۔

اسی کتاب خزینۃ الاصفیا میں مصنّف نے حضرت شیخ ابوبکر

بن مراد الطانجی قدس سرہٗ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ”عراق کے اوتاد سات بزرگ ہیں۔

۱۔ معروف کرخی

۲۔ امام حنبل

۳۔ بشر حافی

۴۔ منصور بن عمّار

۵۔ جنید بغدادی

۶۔ سہیل بن عبداللہ تستری

۷۔ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ

ان سے پوچھا گیا شیخ عبدالقادر کون ہے؟ فرمایا! ایک کریم النفس عجمی ہے جو بغداد میں پیدا ہو گا اور اس کا ظہور پانچویں صدی ہجری میں ہو گا۔

یہ پیش گوئی اسی ولی اللہ کی ہے جس نے عالم رویا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ”پانچویں صدی ہجری میں اولیاء کرام کے مدارج

طے کرتے ہوئے پہلے اوتاد اور بعد ازاں نقیب اور پھر غوث اعظم ہونے کا شرف حاصل کیا اور واقعات و حالات کے مطابق مندرجہ بالا پیش گوئی کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

اولیاء اللہ کے مدارج

جس طرح انبیاء سے بعض نبی خاص ہوتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ میں سے بعض ولی خاص درجہ رکھتے ہیں۔ اولیاء ہر حالت میں انبیاء کے طابع ہوتے ہیں۔ پیغمبر اولیاء سے افضل تر ہوتے ہیں کیونکہ ہر نبی ولی ہوتا ہے مگر ولیوں میں کوئی نبی نہیں ہوتا۔ انبیاء انسانی کمزوریوں سے مستقل طور پر پاک ہوتے ہیں اور اولیاء صرف عارضی طور پر۔ اولیا کا احوال طاری انبیاء کا مستقل مقام ہوتا ہے۔ اولیاء طلب میں گامزن ہوتے ہیں۔ اور انبیاء منزل پر پہنچ کر گوہر مقصود حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور اس کے بعد دعوت سے خلقت کو راہ حق دکھلاتے ہیں اور جیسا

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برہان کو باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اس کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ ہمیشہ حق کے نشانات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل قائم رہے اور ایسے خاص اولیاء کو عالم کا متصرف کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ تنہا اللہ تعالیٰ کی بات کے لیے وقف ہو گئے ہیں

عالمِ روحانیت میں اولیاء اکرام کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے:

ولی چار ہزار۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے۔

جو لوگ عالم میں اہل تصرف اور درگاہ حق کے سرِ لشکر ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اہم مسائل میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

۱۔ اخیار۔ تعداد میں ۳۰۰ ہوتے ہیں۔ اخیار عوام کی بہتری کے لیے اولیاء کو راستہ تجویز کرتے ہیں اور کرامات کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

۲۔ ابدال۔ تعداد میں چالیس ہوتے ہیں۔ مختلف مقامات پر سفر کرتے ہیں۔ یہ اپنی کیفیت بدل بھی لیتے ہیں اور لشکرِ اسلام کی اعانت کرتے ہیں۔ ان کے مزاج مختلف ہوتے ہیں بعض قلب ابراہیمؑ پر ہوتے ہیں اور بعض قلب نوحؑ علیہ السلام پر ہوتے ہیں۔ غرضیکہ یہ چالیس افراد جو ابدال کہلاتے ہیں مختلف انبیاء کے مزاج پر ہوتے ہیں۔ بوجہ تغیر و تبدل کے ان کو ابدال کہتے ہیں۔ سائل جو کسی کام کے کمال کے لیے صدقِ دل سے اعانت طلب کرے ابدال اُس کی مدد کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

۳۔ ابرار تعداد میں سات ہیں یہ وہ ہستیاں ہیں جن میں قوتِ فیصلہ خدا کی طرف سے ملی ہوتی ہے۔ ان اولیاء اللہ سے اہلِ ایمان کو برکات حاصل ہوتی ہیں اور اُن کی دعاؤں سے سلامتی کا نزول ہوتا ہے۔

۴۔ اوتاد تعداد میں چار ہوتے ہیں اور ایک رات میں ساری دنیا کا چکر لگاتے ہیں۔ جہاں ان کی نظر نہ پڑے اُس جگہ

خلل پیدا ہو جاتا ہے اور پھر قطب کی مدد سے خلل دور ہو جاتا ہے۔ مختلف ولائتوں میں اوتاد کا اپنا حاکمانہ نظام ہوتا ہے۔

۵۔ نقیب تعداد میں تین ہوتے ہیں یہ اوتاد کے اُوپر ہوتے ہیں اور ہر ولائیت کا معائنہ کرتے ہیں۔ اُن کا کام سب صوفیائے کرام پر نگاہ رکھنا ہے اور ان کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر ان کو کوئی مشکل درپیش ہو تو فوری طور پر یہ قطب کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

۶۔ قطب، غوث یا صاحب وقت صرف ایک ہوتا ہے۔ سارے عالم کے روحانی نظام کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ روحانی نظام میں ترقیاں، تقرریاں اور تبدیلیاں بھی صاحبِ وقت کے حکم سے ہوتی ہیں۔ قطب یا صاحبِ وقت کا رابطہ سرور کائنات حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رہتا ہے اور رسول کریمؐ کی ہدایات وقتاً فوقتاً صاحبِ وقت کو ملتی رہتی ہیں۔ قطب کی وفات کے بعد حضور اکرمؐ عام طور پر نقیب سے اس خلا کو پُر کر دیتے ہیں۔ حضرت محمد صلّی اللہ

علیہ وسلّم کا تعلّق براہِ راست حق تعالیٰ سے ہوتا ہے اور اس طرح روحانی نظام کی کڑیاں ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ کردی گئی ہیں تاکہ دنیا کا ہر گوشہ عنایات کریمی سے منوّر رہے۔ اسی روحانی نظام کا یہ کرشمہ ہے کہ شرار و شرر اس بحرِ بیکراں میں خاک و خاکستر کی طرح بہہ جاتے ہیں حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔

وہ لوگ آپ سے رُوح کے متعلّق پوچھتے ہیں آپ فرمادیں کہ رُوح امر ربّی ہے۔

بیشتر علماء۔ حکما اور دانشوروں نے اپنی عقل و فہم کے مطابق رُوح کے موضوع پر قیاس آرائی کی ہے۔ غیر مسلم ادیبوں شاعروں اور فلسفیوں نے بھی رُوح سے متعلّق اپنی بساط کے مطابق تبصرے کیے ہیں۔ ہمارے رسولِ کریمؐ کے دَور میں بھی اکثر کفار نے اس لطیف موضوع کو چھیڑا ہے۔ اُن کا اندازِ فکر

اگرچہ بالکل مختلف ہوتا تھا مگر اپنے مقاصد میں وہ ہمیشہ شر کی طرف راغب ہوتے تھے۔ مکّہ میں ایک بار یہودیوں نے کفار قریش کو اُکسایا کہ وہ رسول اللہؐ کے پاس جاکر رُوح کی کیفیت سے متعلّق دریافت کریں۔ اُن کو زعم تھا کہ رسولِ کریمؐ کے پاس کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ہوگا اور کفار کو ایک ایسا موقع مل جائے گا جس سے وہ رسولِ خداؐ کا مذاق اڑا سکیں گے۔ چنانچہ نضر بن الحارث رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہُوا اور تحکمانہ انداز میں کیفیتِ رُوح کی نسبت دریافت کیا کہ وہ سمجھائیں رُوح کیا ہے۔ فوری طور پر وحی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"وہ لوگ آپ سے رُوح کے متعلّق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں کہ رُوح امرِ ربّی ہے۔

رسول اللہؐ کا جواب سُن کر نضر بن الحارث حیرت زدہ ہو گیا۔ اور کفار لاجواب ہو گئے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی کشف المحجوب میں اپنے خیالات کا اظہار یہ لکھ کر کیا ہے کہ رُوح بذاتِ خود ایک حقیقت ہے صفت

نہیں جب تک جسم میں موجود ہے حکم خداوندی سے حیات آفریں ہے زندگی آدمی کی صفت ہے اور آدمی اس سبب زندہ ہے۔ رُوح جسم میں ودیعت ہے۔ رُوح اگر جُدا بھی ہو جائے تو انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ عالم خواب میں رُوح موجود نہیں ہوتی مگر انسان زندہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رُوح کی عدم موجودگی میں عقل و فہم مفقود ہوتے ہیں رُوح ایک جسم لطیف ہے جو بحکم خداوندی آتا ہے اور رخصت ہو جاتا ہے۔ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ پیغمبر اسلام کے فرمان کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجساد سے پہلے پیدا کیا۔ بقول حضرت داتا گنج بخشؒ رُوح ایک قسم کی مخلوق خدا ہے وُہ اُسے ایک دوسری قسم کی مخلوق سے پیوست کر دیتا ہے اور اس طرح اپنی قدرت سے زندگی پیدا کرتا ہے۔ آگے چل کر اُنھوں نے شدّت کے ساتھ عقیدہ تناسخ پر ان الفاظ میں مخالفت کی ہے۔

”یہاں ہمیں اختلاف ہے اُن ملحدوں سے جو یہ کہتے ہیں کہ رُوح قدیم ہے۔ اس لیے ہم اس کی پرستش کرتے

ہیں اور اُس کو ہر چیز کا فاعل اور مدبّر سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رُوح ایک جسم سے دُوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جس قدر خلقت اس گمراہی میں مبتلا ہے شائد ہی کسی اور گمراہی میں ہوئی ہو۔ یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے گو وہ بیان کرتے وقت مختلف انداز میں بیان کر جاتے ہیں۔ ہند، تبّت اور چین میں بھی عقیدہ مروّج ہے مگر

بزرگانِ حق اور سادات قوم کے لیے عوام النّاس کا ردّ و قبول یکساں حیثیّت رکھتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ

رُوح ایک جسمانی قالب سے دوسرے جسمانی قالب سے منتقل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح رُوح کے لیے دو زندگیاں نہیں ہو سکتیں رُوح کے لیے دو جسم نہیں ہو سکتے۔ اگر اس حقیقت پر پیغمبر اسلام کی احادیث نہ ہوتیں اور پیغمبر اسلام کی صداقت مسلمہ نہ ہوتی تو عقلی نقطۂ نظر سے رُوح کو

صرف زندگی کہا جا سکتا۔ اس کی حیثیت ایک صفت کی ہوتی اور وہ عینی حیثیت سے خارج سمجھی جاتی۔ رُوح کے معاملہ میں ملحدوں کے اقوال باطل ہیں۔ رُوح مخلوق ہے تابع فرمان الٰہی ہے اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے غلط راستے پر ہیں۔ جب ظاہر بینوں نے اس قسم کی حکائت اہل اصول سے سُنی تو خیال کیا کہ سب اہل تصوّف کا یہی عقیدہ ہے۔ وہ سخت غلطی کا شکار ہوئے اور انھیں صریحاً دھوکا ہُوا۔ علم تصوّف کا نور اُن سے مستور رہا اولیاء اللہ کا جمال اُن سے روپوش رہا۔ نورِ حق کی چمک اُنھیں نظر نہ آسکی۔ یہ یاد رہے کہ بزرگانِ حق اور ساداتِ قوم کے لیے عوام النّاس کا ردّ و قبول یکساں حیثیت رکھتا ہے ۔"

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ امر مصدقہ ہو جاتا ہے کہ رُوح کی نسبت کئی ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی حکمت سے نوازا ہے۔ مثلاً ہم نے اپنی رُوح آدم کے جسم میں پھونکی یا حضرت مریم کے جسم میں پھُونکی۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ

رُوح امرِ ربّی ہے۔ رُوح ابدی ہے یہ مرتی نہیں۔

> رُوح ہر زندہ شے میں جان پیدا کرتی ہے۔ مارگریٹ سمتھ
>
> رُوح کا مقام ارفع ہے مقصد لطیف اور حسین ہے۔
>
> اے۔جی۔آربری

مارگریٹ سمتھ نے رُوح سے متعلّق اپنی کتاب "دی صُوفی پاتھ آف لو" میں لکھا ہے کہ رُوح لاثانی اور لافانی ہے۔ رُوح کو بذاتِ خود اُس کے زندہ ہونے کے امر سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ رُوح ہر زندہ شے میں جان پیدا کرتی ہے۔ رُوح جسم کی کمزوری یا استواری سے بگڑتی یا سنورتی نہیں۔ رُوح پاک اور متبرک ہے اے۔جی۔آربری نے "صوفی ازم ان اسلام" میں لکھا ہے کہ رُوح کی موجودگی انسانی جسم کو جلا بخشتی ہے۔ اُس کا مقام ارفع ہے مقصد نہایت لطیف اور حسین ہے۔ انسان کے اندر مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور نیکی کی راہ پر ڈالنا اس کا نصب العین ہوتا ہے۔

قرآن پاک کے احکام۔ رسول کریمؐ کے فرمان۔ صوفیا اکرام کے فرمودات و دیگر غیر مسلم محققین کے خیالات سے یہ بات روشن از شمس ہے کہ رُوح لافانی مخلوق ہے۔ امر ربیّ ہے۔ روح ایک حقیقت ہے صفت نہیں۔

باب ششم

رموزِ آداب

اہلِ دُنیا کے نزدیک فصاحت و بلاغت
علم و فنون کی تحقیق و تدوین۔ قصیدہ گوئی۔ مختلف
شعراء کا کلام ادب ہے۔ اہلِ دین کے نزدیک
ریاضت و مجاہدہ کی عادت۔ اعضائے جسمانی
کی تادیب۔ حدودِ حق کی حفاظت اور خواہشاتِ
نفسانی کا ترک کرنا ادب ہے مگر اولیاء کرام کے
نزدیک دل کو پاک رکھنا۔ اسرارِ باطن پر نظر رکھنا
ایفائے عہد وقت کی پاسداری۔ پراگندگیِ خیالات
کا استیصال اور طلب و قرب میں حضورِ حق میں
مؤدّب رہنا ادب ہے۔

شیخ ابو نصیر سراج رح

میں علی بن عثمان جلابی اپنے سفر کے دوران
کسی چیز سے اتنا رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہیں ہوا
جتنا جاہل خدمت گزاروں سے جو مجھے بلا تامل ساتھ
لے لیتے اور بڑے آدمیوں اور دہقانوں کے
گھروں پر لیے پھرتے ہیں ساتھ تو ہو لیتا اور بظاہر درگزر
سے کام لیتا مگر دل میں عہد کر لیتا کہ اقامت کے
بعد میں مسافروں سے کبھی یہ سلوک نہیں کروں گا
بے ادبوں کی صحبت سے یہی فائدہ ہوتا ہے کہ
جو وہ کریں تم اُس سے پرہیز کرو۔

حضرت داتا گنج بخش رح

حضرت بایزیدؒ سے لوگوں نے پوچھا آپ
بھوک کی بہت تعریف کرتے ہیں؟ فرمایا درست
ہے۔ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو ہرگز یہ نہ کہتا "میں ہی
تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں" اگر قارون بھوکا
ہوتا تو سرکشی نہ کرتا۔

سنو! مَیں نے صرف حق تعالیٰ کو دیکھا اور
حق تعالیٰ نے مجھے تخت پر بٹھایا۔ تو نے صرف
اپنے آپ کو دیکھا اور بجز خاک نشینی کے کچھ نہ پایا۔
ہمارے نصیب میں مشاہدہ ہے اور تیرے نصیب
میں مجاہدہ۔ یہ دونوں طریقت کے مقامات ہیں
مگر ذاتِ حق ان سے مُبرّہ ہے اور درویش
مقامات و احوال سے فانی اور آزاد۔

شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ

رموزِ آداب

حضرت سیّد مخدوم علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ دین اور دنیا کے لیے تمام امور کی زیب و زینت ادب سے وابستہ ہے اور ہر مقام کے حصول کے لیے ادب کو ملحوظ خاطر رکھنا اشد ضروری ہے۔ ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایمان کی پہچان یہ ہے کہ مومن کے آداب اچھے اور عمدہ ہوں۔ اور باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بھی ادب کی تلقین کی ہے حضرت داتا گنج بخشؒ نے احادیث پاک کو بیان کرتے ہوئے دین و دنیا کے کاموں کی مقبولیت بیان فرماتے ہوئے آداب کو مقدم رکھا ہے آپ نے تصوّف کی بنیاد آداب کے اصولوں پر عمل کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی ہے۔ اور جو لوگ اصول آداب کی پرواہ نہیں کرتے اور احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتے اُن کا طریقت اور تصوّف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو شخص آداب کا

لحاظ اور پابندی نہیں کرتا وہ درجہ ولایت حاصل نہیں کرسکتا اور جو ادب اختیار نہیں کرتا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے انحراف برتتا ہے۔ اس دنیا میں رہ کر جس طرح انسان زندگی کے ہر شعبہ میں آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے تاکہ نافرمانی یا گستاخی سے کام بگڑ نہ جائے اسی طرح ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اولیا اکرام کے ساتھ ادب کو پیشِ نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب کچھ دیکھتا ہے کسی جگہ اور کسی مقام پر بھی انسان خداوند تعالیٰ سے چھپ کر کوئی کام نہیں کرسکتا۔ اس لیے ایک مومن کو اپنے معبود حقیقی کے واسطے جو آداب ہیں اُن پر پوری پوری پابندی سے عمل کرنا چاہیئے اور احکام الٰہی کے خلاف کوئی قدم اُٹھاتے وقت یہ کبھی نہ بھولا جائے کہ وہ ہر جگہ حاظر و ناظر ہے اور ہمارا کوئی فعل حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے شب معراج کے واقعہ کو بصیرت افروز بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس سارے واقعہ کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ

معلوم ہو گا کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شروع سے آخر تک آداب خداوندی اور آئین احدی کا کس قدر احترام کیا ہے۔ اور یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو حضور پاکؐ کی سنّت کا ضرور پاس کرنا چاہیئے۔ حضرت ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو تصوّف و معرفت میں یہ بلند مقام کس طرح حاصل ہُوا تو آپ نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی صحبت کے آداب کو بجا لانے سے یہ مراتب حاصل ہوئے ہیں۔ اس لیے حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب کشف المحجوب سے اہم ارشادات جو آداب کے موضوع پر اُنھوں نے فرمائے ہیں اگر ان کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو انسان منزلِ مراد پر گامزن ہو کر کامیاب اور کامران ہو سکتا ہے۔

آدابِ سوال و ترک سوال

اس موزوع پر آپ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک جماعت کا خیال ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہ کرنا چاہیئے اور بجز اُس کے کسی کو حاجت روا نہیں سمجھنا

چاہیئے کیونکہ سوال کرنا حق تعالیٰ سے روگردانی ہے۔ کہتے ہیں ایک دنیادار آدمی نے رابعہ عدویہ سے کہا "جس چیز کی ضرورت ہو مانگ میں مہیا کردوں گا۔" اُنھوں نے جواب دیا۔ "مجھے اپنے ربّ سے دُنیا مانگتے ہوئے شرم آتی ہے چہ جائیکہ میں اپنے ہم جنس سے کوئی دنیاوی چیز طلب کروں۔"

حاکم وقت آدھی رات ننگے سر ننگے پاؤں گھر سے بھاگ نکلا اور درویش کو جیل سے رہا کر دیا

ابو مسلم نے ایک حق رسیدہ بزرگ کو چوری کے الزام پر جیل میں ڈال دیا۔ اُسی رات ابو مسلم نے خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ رسُولِ کریمؐ نے اُسے فرمایا اے ابو مسلم میں بحکم خداوندی آیا ہوں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تُو نے اُس کے ایک دوست کو بے جرم قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اسی وقت جا کر اُسے رہا کر۔ ابو مسلم چونک اُٹھا اور ننگے سر ننگے پاؤں قید خانے میں

پہنچا اور دروازے کھول کر درویش کو رہا کر دیا۔ معافی مانگی اور کہا کچھ ضرورت ہو تو حکم دیجیئے۔ درویش نے کہا میرا مالک تو ایسا ہے کہ آدھی رات کے وقت ابو مسلم کو بستر سے اٹھا کر مجھے مصیبت سے نجات دینے کے لیے بھیج سکتا ہے میں کیوں کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ ابو مسلم رونے لگا اور درویش چلا گیا۔

سوال کی دوسری جائز صورت یہ ہے کہ سوال ریاضتِ نفس کے لیے کیا جائے "تاکہ سوال کی ذلّت برداشت کریں اس کی تکلیف گوارہ کریں اور دوسروں کی نظر میں اپنی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگائیں اور اس طرح تکبّر سے محفوظ رہیں۔

یہ صرف ریاضت نفس کے لیے تھا
کسبِ معاش کے لیے نہیں

ایک دفعہ حضرت جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ سے فرمایا تیرے سر میں غرور ہے کہ تو خلیفہ اور امیر سامرہ کے دربانوں کے سردار

کا بیٹا ہے تجھے کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی جب تک تو بازار میں نہ گھومے اور ہر کسی سے سوال نہ کرے اور تجھے اپنی اصل قیمت کا احساس نہ ہو جائے۔ حضرت شبلی نے ایسا ہی کیا۔ بھیک مانگنے کے معاملے میں کساد بازاری بڑھتی گئی اور چھ سال میں نوبت یہاں تک آئی کہ آپ سارے بازار میں گھوم نکلے اور کسی نے کچھ نہ دیا آپ نے واپس آکر حضرت جنیدؒ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اب تجھے اپنی قیمت کا اندازہ ہو گیا۔ لوگ تجھے کچھ نہیں سمجھتے۔ اپنے دل کو اُن کی طرف سے پھیر لے اور کسی قیمت پر بھی اُن کی صحبت اختیار نہ کر۔ یہ صرف ریاضت نفس کے لیے تھا کسب معاش کے لیے نہیں۔

دنیا کی ہر چیز کا حقیقی مالک حق تعالےٰ ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جائز سوال کی ایک اور صورت ہے کہ سوال حق تعالیٰ کی عظمت و حُرمت کے لیے کیا جائے دُنیا کی ہر چیز کا حقیقی مالک حق تعالیٰ ہے اور لوگ صرف نگران ہیں درویش

اپنے نصیب کی چیز حق تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔ جو شخص حق تعالیٰ کے سامنے اپنی ضرورت کے لیے وکیل کو پیش کرتا ہے حرمت وطاعت میں اس شخص سے بالاتر ہے جو خود حق تعالیٰ سے طلب کرتا ہے۔

سیّد علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن معاذؒ کی ایک لڑکی تھی۔ ایک دن اُس نے اپنی والدہ سے کوئی چیز مانگی۔ والدہ نے کہا خدا سے مانگو۔ لڑکی نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی ذاتی ضرورت کی چیز حق تعالیٰ سے طلب کروں جو آپ دیں گے وہ بھی تو اُسی کا ہے۔

کون ہے جو اِس چڑیا کے لیے مُجھے کچھ دے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ بندہ حق تعالیٰ کو اپنی گدائی کا جال نہ بنائے تاکہ اُس کی پارسائی کے پیش نظر لوگ زیادہ دیویں۔ مَیں نے ایک دفعہ بلند مرتبہ صُوفی کو دیکھا۔ وہ اپنے فاقہ میں مُبتلا جنگل سے نکل کر راستے کی صعوبت برداشت کرتا ہُوا کُوفہ کے

ایک بازار میں آیا۔ ہاتھ پر ایک چڑیا اُٹھا رکھی تھی اور پکار رہا تھا کون ہے جو اس چڑیا کے لیے مجھے کچھ دے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیوں کہتے ہو؟ کہا یہی ٹھیک ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ خدا کے لیے مجھے کچھ دو۔ دنیاوی چیز کے لیے صرف حقیر چیز کی سفارش کی جا سکتی ہے۔

آدابِ صحبت

مُرید کے لیے سب سے اہم چیز ہم نشینی ہے۔ اس لیے ہم نشینی کے حقوق کی پاسداری بھی فرض ہے کیونکہ مرید کے لیے تنہائی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ ابلیس تنہا آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دُور ہوتا ہے۔ قرآن میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تین آدمی باہم مشورے کر رہے ہوں تو چوتھا باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کے ایک مرید کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ درجۂ کمال کو پہنچ چکا ہے اور اب اُس کے لیے تنہائی ہم نشینی سے بہتر ہے۔ اُس نے گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا اور جماعت مشائخ سے روگرداں ہو گیا۔ رات کے وقت اُس کے پاس ایک اُونٹ لایا جاتا اور اُسے کہا جاتا چلو تمھیں بہشت جانا ہے۔ وہ اُونٹ پر

سوار ہوتا اور وہ ایک پُر فضا مقام پر پہنچ جاتے۔ خوبرو لوگوں کی معیت میں عمدہ کھانے اُس کے لیے مہیّا کیے جاتے۔ صبح تک وہ وہاں رہتا پھر اُسے نیند آجاتی اور بیدار ہوتا تو اپنے تکیہ میں ہوتا رفتہ رفتہ انسانی غرور اس کے دل و دماغ پر مسلّط ہو گیا اور تکبّر نے اُسے پوری طرح جکڑ لیا۔ حضرت جنیدؒ کو معلوم ہوا تو اُس کے تکیہ میں تشریف لائے اور دیکھا کہ اُن کا مرید تکبّر اور غرور میں مبتلا بیٹھا ہے۔ حال دریافت کیا تو اُس نے سب واقعہ بیان کر دیا حضرت جنیدؒ نے کہا کہ آج رات اُس مقام پر جانا ہو تو تین دفعہ وہاں پہنچ کر لاحول ولا پڑھنا۔ ہنگام شب اُسے پھر وہیں لے گئے وہ دل ہی دل میں حضرت جنیدؒ کا منکر ہو رہا تھا۔ کچھ وقت گزرنے پر

شرائطِ ہم نشینی کیا ہیں؟

اُس نے ازراہِ آزمائش تین بار "لاحول" پڑھا۔ جُملہ حاضرین میں سے ایک اُٹھا اور سب کے سب چلے گئے اور اُس نے

اپنے آپ کو ایک کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا پایا اور اُس کے گرد مُردار جانوروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوُا تو اُس نے توبہ کی۔ الغرض مرید کے حق میں تنہائی سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔ ہم نشینی کے لیے اہم شرط یہ ہے کہ ہر شخص کا درجہ ملحوظ خاطر رہے۔ پیرِ طریقت کے ساتھ اُن کی حرمت کا لحاظ مرید کے لیے باعث رحمت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی سے پوچھا کہ شرط ہم نشینی کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ تو اپنے حصّہ کا طالب نہ ہو۔ ہم نشینی میں جُملہ خرابیاں ہیں اسی چیز سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہر شخص اپنا حصّہ طلب کرتا ہے حقیقی ہم نشینی یہ ہے کہ اپنے حصّے سے دست بردار ہو کر ہم نشینوں کے حصّے کی پاسداری کر۔ ایک درویش نے کہا کہ میں ایک دفعہ کوفہ سے مکّہ معظّمہ جا رہا تھا۔ راستے میں حضرت ابراہیم خواص سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے ہمراہی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر تمھیں میرے حکم کے مطابق کام کرنا ہو گا۔ عرض کیا بجا ہے۔ منزل پر پہنچے تو آپ نے فرمایا

بیٹھ جاؤ۔ میں حکم بجالایا۔ آپ نے کنویں سے پانی نکالا۔

درویشوں کے ساتھ ہم نشینی کا طریقہ

سردی کا موسم تھا لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی اور مجھے گرم کیا میں جب بھی کوئی کام کرنے کے لیے اٹھتا فرماتے بیٹھ جاؤ۔ مجھے حکم بجالانا تھا۔ خاموش ہو جاتا۔ رات کو سخت بارش ہونے لگی آپ نے اپنا خرقہ نکالا اور تا سحر میرے سر پر تان کر کھڑے رہے۔ میں شرم سے ڈوبا جا رہا تھا۔ مگر از روئے شرط کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا آج میں امیر ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ جب پھر منزل پر قیام کیا تو پھر آپ نے خدمت اپنے اوپر لے لی میں نے کہا میں امیر ہوں۔ میرے حکم سے آپ باہر نہیں جا سکتے آپ نے فرمایا نافرمان وہ ہوتا ہے جو اپنی خدمت امیر کے سپرد کر دے۔ مکہ معظمہ تک آپ اسی طرح میرے ہم سفر رہے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر میں شرمساری کے عالم میں بھاگ گیا۔ آپ نے

منیٰ MENA میں مجھے دیکھ لیا اور فرمایا دیکھو بیٹا! درویشوں کے ساتھ ہم نشینی کا طریقہ یہی ہے جو میں نے تمہارے ساتھ اختیار کیا۔

ایک بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ادب کی شرط کیا ہے جواب دیا جو کچھ میں جانتا ہوں ایک جملے میں بیان کیے دیتا ہوں ادب یہ ہے کہ جو کچھ تیری زبان سے نکلے سچ ہو۔ اگر کوئی معاملہ کرے تو اس کی بنیاد حق و انصاف پر ہو۔ کلام سچا ہونا چاہیئے۔ خواہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔ عمل نیک ہونا چاہیے خواہ سخت ہی کیوں نہ ہو۔ بولو تو سچ بولو۔ خاموش رہو تو خاموشی کو راستی پر مبنی رکھو۔

ادب کے لحاظ سے تین قسم کے لوگ

شیخ ابو نصیر سراجؒ نے اپنی کتاب "لمع" میں ادب کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں فرماتے ہیں ادب کے لحاظ سے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اہل دنیا جن کے نزدیک فصاحت بلاغت

علم و فنون کی تحقیق و تدوین۔ بادشاہوں کی داستانیں۔ مختلف شعرا کے اچھے شعر۔ علمی چیزوں۔ شاہی نسب ناموں اور عربی زبان کے اشعار کو حفظ کرنا ادب ہے۔ اہل دین کے نزدیک ریاضت و مجاہدہ کی عادت۔ اعضائے جسمانی کی تادیب حدودِ حق کی حفاظت اور ترکِ خواہشات نفسانی کو ادب کہتے ہیں۔

خاص لوگ جن کے نزدیک دل کو پاک رکھنا۔ اسرارِ باطن پر نظر رکھنا۔ ایفائے عہد۔ وقت کی پاسداری۔ پراگندگی خیالات کا استیصال اور پھر طلب و قرب میں حضورِ حق میں مؤدب رہنا ادب ہے۔

آدابِ صحبتِ اقامت

جب کوئی درویش اقامت پذیر ہو تو اُس کے لیے شرطِ ادب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر اُس کے دروازے پر آئے تو اُس کی عزت و توقیر کرے اور اُس کے ساتھ دلی مسرت سے پیش آئے اور احترام سے اپنے پاس ٹھہرائے۔ یہ سمجھے کہ گویا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں میں سے ہیں اور وہ برتاؤ کرے جو

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنے مہمانوں سے کیا کرتے تھے۔ بلا تکلّف ماحضر سامنے رکھ دیا کرتے تھے اور یہ کبھی نہ پوچھتے تم کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟ اور تمھارا کیا نام ہے۔ یہ سمجھتے کہ ایسے لوگ حق تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اُسی کی طرف وہ رو بہ سفر ہوتے ہیں اور اُن کا نام "بندہ حق" ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ کرے کہ مسافر کو آرام کرنے کیلئے تنہائی کی ضرورت ہوگی یا مجالست کی۔ اگر وُہ خلوت پسند ہے تو اُس کے لیے جگہ خالی کر دے اگر مجالست طلب ہو تو بے تکلّف محبّت اور ہمدردی سے اُس کے ساتھ رہے جب وُہ تکیہ پر سر رکھ کر سونے کا ارادہ کرے تو اُس کے پاؤں دبائے۔ اگر وہ کہے مجھے عادت نہیں تو اصرار نہ کرے تاکہ اُسے گراں نہ گزرے۔ دوسری صبح اُسے کسی نہایت صاف ستھرے حمام پر لے جائے اُس کے کپڑے ناپاک جگہ پر نہ رکھے اور کسی اجنبی کو اُس کی خدمت پر مامور نہ کرے۔ خدمت ایسے ہم جنس کے سپُرد ہونی چاہیے جو پورے اعتقاد کے ساتھ اُسے ہر نجاست سے پاک کر سکے۔ طالب حق کسی وقت ایسے مقام پر ہوتا ہے کہ اس کا اپنا دل اُس کے

تیار سے باہر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم خواصؒ سے لوگوں نے
ں کے سفر کے حالات پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت
ضر علیہ السلام نے میرے ساتھ ہم نشینی کی خواہش کی مگر میں نے
نکار کر دیا کیونکہ اس وقت میرا دل بجز بذاتِ حق کسی چیز کی طرف
غب نہ تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میری نظر میں کسی اور چیز کی
در و منزلت ہو تو میں اس کی رعایت سے اپنی توجہ کسی اور طرف
دوں۔ یہ قطعاً روا نہیں کہ درویش کسی مسافر کو اہلِ دنیا کے سلام
کے لیے اُن کی مہمان نوازیوں یا تیمارداریوں کے ساتھ لیے پھرے۔

بے ادبوں کی صحبت سے فوائد

میں علی بن عثمان جلابی اپنے سفر کے دوران کسی چیز سے اتنا
رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہیں ہوا جتنا جاہل خدمت گزاروں سے جو
مجھے بلا تامّل ساتھ لے لیتے اور بڑے آدمیوں اور دہقانوں کے
گھروں پر لیے پھرتے میں ساتھ تو ہو لیتا اور بظاہر درگزر سے کام

لیتا اگر دل میں عہد کر لیتا کہ اقامت کے بعد میں مسافروں سے کبھی یہ سلوک نہیں کروں گا۔ بے ادبوں کی صحبت سے یہی فائدہ ہوتا ہے کہ جو وہ کریں تم اُس سے پرہیز کرو۔

سالکانِ حق کو ضرورت نہیں کہ وہ درویشوں سے ملے

اگر مسافر خوش ہو کر چند روز قیام کرے اور کسی دنیاوی ضرورت کا اظہار کرے تو درویش کو چاہیئے کہ اُس کی ضرورت پوری کر دے تاہم اگر مدّعی بے ہمّت ہے تو درویش کو اُس کی محال ضروریات پورا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سالکانِ حق کا وطیرہ نہیں ہوتا۔ سالکِ حق کو کیا ضرورت ہے کہ درویشوں سے ملے۔ اگر اُس کا دامن دُنیاوی ضروریات سے آلودہ ہے اُسے بازار میں جا کر خرید و فروخت کرنا چاہیئے یا کسی بادشاہ کی درگاہ پر دربانی اختیار کرنا چاہیئے۔

اپنے پیر کو آزمانے کے لیے ہر درویش نے اپنے دل میں بات سوچی

حضرت سیّد علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میں درویشوں کے ہمراہ بن العلاؒ کی زیارت کے لیے جارہا تھا وہ ایک گاؤں رملہ نامی میں مقیم تھے ہم نے راستہ میں فیصلہ کیا کہ ہر شخص اپنے دل میں کوئی بات سوچ لے دیکھیں پیر صاحب ہمارے باطن کی کیفیّت سمجھتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ مجھے آپ سے حسین بن منصور کی مناجات اور اشعار ملنے کی اُمید رکھنی چاہیئے۔ دوسرے نے کہا میں تلی کے مرض میں مبتلا ہوں مجھے شفا حاصل ہو جائے۔ تیسرے نے کہا مجھے حلوہ صابونی (برفی) چاہیئے۔ جب ہم لوگ حاضر خدمت ہوئے تو اُن کے حکم سے حسین بن منصور کی مناجات اور اشعار لکھے پڑے تھے وہ میرے سامنے رکھ دیئے۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیر دیا اور اس کی تلی کی تکلیف جاتی رہی۔ تیسرے سے فرمایا صابونی حلوہ بادشاہوں کے درباروں کی غذا ہے مگر تم نے

بباس اولیاء اوڑھ رکھا ہے۔ یہ لباس شاہی نوکروں اور دنیا داری
مطالبات پر راس نہیں سو ان میں سے ایک چیز اختیار کرو۔ الغرض
صاحب اقامت پر صرف اُسی شخص کی رعایت روا ہے جو رعایت
حق میں مشغول ہو اور اپنے حصّہ سے دست بردار ہو۔ جو درویش اپنے
حصّہ پر قیام پذیر ہو اُس کے حصّہ پر کوئی ہاتھ نہیں مار سکتا کیونکہ
درویش ایک دوسرے کے رہنما ہوتے ہیں رہزن نہیں ہوتے
جب کوئی اپنے حصّہ پر بضد ہو دوسرے کو مخالفت کرنی چاہیئے
جب وہ اپنے حصّہ سے بے نیاز ہو جائے تو دوسرے پر لازم
ہے کہ اس کا حصّہ برقرار رکھے تاکہ دونوں راہ طے کرنے والوں
میں شمار ہوں اور راہ سے بھٹکے ہوئے نہ کہلائیں۔

صرف ذاتِ حق ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے

حضرت سیّد علی ہجویریؒ نے اِسی موضوع پر فرمایا کہ ایک ایسا
وقت تھا کہ میں عراق میں دنیاوی دولت کی طلب اور اس کو فنا

کرنے میں نہایت تندہی سے مصروف تھا مجھ پر بہت قرض ہو گیا جس کو ضرورت ہوتی وہ میری طرف رُخ کرتا میں ان لوگوں کی حرص و ہوس کا شکار ہو کر رہ گیا اور سرداران وقت میں سے ایک سردار نے مجھے لکھا۔ بیٹا! خبردار۔ دل کو خدا سے ہٹا کر ایسے لوگوں کی دلجوئی میں مشغول نہ ہو جو اپنے نفس کی خواہشات میں مصروف ہیں۔ اگر کوئی دل اپنے دل سے عزیز تر ہو تو اُس کی فراغت میں کوشاں ہونا روا ہے ورنہ اس کام سے دست بردار ہونا چاہیئے کیونکہ خود ذاتِ حق اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں اس چیز پر عمل پیرا ہونے سے مجھے فراغت حاصل ہو گئی۔ یہ ہیں احکام مقیموں اور مسافروں کی ہم نشینی سے متعلق۔

آدابِ سفر

اقامت چھوڑ کر سفر اختیار کرنا ہو تو اُس کے آداب کو مدّ نظر رکھے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ سفر فی سبیل اللہ ہونا چاہیئے نفس کی تابعداری سے روگردان ہو کر ظاہر کے سفر کی طرح باطن کا بھی سفر کرے۔ یعنی خواہشات نفسی کو پیچھے چھوڑ دے۔ ہمیشہ باوضو رہے۔ اور اپنے اوراد کو ضائع نہ کرے سفر کا کوئی مقصد

ہونا چاہیئے۔ یعنی حج بیت اللہ۔ جہاد یا کسی مقدس مقام کی زیارت تلاشِ علم یا کسی بزرگ کے مزار کی زیارت۔ اگر ایسا کوئی سفر مدِ نظر نہیں تو سفر بے کار ہو گا۔

جو چیز میرے کان سُن نہ سکے وہ میری آنکھ نے ظاہر دیکھ لیا

سیّد شیخ علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ ابو مسلم فارس بن انصاری شیخ ابوسعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمّد سے ملنے آئے تو دیکھا کہ آپ تخت پر چار تکیئے لگائے سو رہے ہیں پاؤں ایک دوسرے پر رکھے ہیں اور ایک مصری چادر اوڑھ رکھی ہے ان کے اپنے کپڑے میل کی وجہ سے چمڑے کی طرح ہو رہے تھے جسم تکلیف سے سوکھا ہوا تھا رنگ ریاضت سے زرد تھا۔ دل میں کراہت پیدا ہوئی سوچا میں بھی درویش ہوں یہ بھی درویش ہے اسے اس قدر آرام میسّر ہے اور میں مشقّت سے نڈھال ہو رہا ہوں شیخ ابوسعیدؒ نے نخوتِ باطن کی کیفیت بھانپ لی اور فرمایا۔

"اے مسلم تو نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ خود بین بھی درویش ہوتا ہے سنو میں نے صرف حق تعالیٰ کو دیکھا اور حق تعالیٰ نے مجھے تخت پر بٹھایا تو نے صرف اپنے آپ کو دیکھا اور بجز خاک نشینی کے کچھ نہ پایا۔ ہمارے نصیب میں مشاہدہ ہے اور تیرے نصیب میں مجاہدہ۔ یہ دونوں طریقت کے مقامات ہیں۔ مگر ذاتِ حق اِن سے مبرّہ ہے۔ اور درویش مقامات واحوال سے فانی اور آزاد۔ شیخ ابو مسلم فرماتے ہیں کہ یہ بات سُن کر میرے ہوش اُڑ گئے اور تمام عالم میری نظر میں تاریک ہو گیا۔ ہوش بجا ہوئے تو میں معافی کا خواستگار ہُوا۔ اور آپ نے مجھے معاف کر دیا میں نے عرض کیا مجھے جانے دیجئے کیونکہ میں دیدار کا متحمّل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اور کہا۔

"جو چیز میرے کان سن نہ سکے وہ میری آنکھ نے ظاہر دیکھ لیا"

مسافر کو ہمیشہ سنّت کی اقتدار کرنا چاہیے۔ اور جب کسی مقیم سے ملاقات ہو تو عزّت واحترام سے سامنے آئے۔ سلام کرے پہلے بائیں پاؤں کا جوتا اتارے کیونکہ یہ سنّتِ نبویؐ ہے جب

جوتا پہنے تو پہلے دایاں پاؤں جوتے میں ڈالے۔ جب پاؤں دھوئے تو پہلے دایاں پھر بایاں دھوئے۔ دو رکعت نماز تہجد ادا کرے اور پھر درویشوں کی خدمت میں مشغول ہو جائے۔ جو مقیم ہوں اُن پر کسی شکل میں اعتراض نہ کرے۔ کسی کے ذاتی معاملات میں زیادتی نہ کرے۔ اپنے سفر کے مصائب بیان نہ کرے۔ مجلس میں بیٹھ کر علم کی باتیں روایات و حکایات بیان نہ کرے کیونکہ یہ سب چیزیں رعونت کی دلیل ہیں۔ سب کا دُکھ بانٹے اور فی سبیل اللہ اوروں کا بوجھ برداشت کرے۔ یہ چیزیں برکاتِ خداوندی کا باعث ہیں۔

آدابِ طعام

سالکانِ حق کے لیے پُرخوری سب سے زیادہ ضرر رساں ہے۔ حضرت بایزید سے لوگوں نے پوچھا آپ بھوک کی بہت تعریف کرتے ہیں؟ فرمایا درست ہے۔ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو ہرگز یہ نہ کہتا "میں ہی تمھارا سب سے بڑا خدا ہوں" اگر قارون بھوکا ہوتا تو سرکشی نہ کرتا۔

آدابِ طعام کی شرط یہ ہے کہ تنہا نہ کھائیں اور کھاتے وقت

ایک دوسرے کے لیے ایثار کریں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے شیخ محترم نے کہا "مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دعویٰ کرتا ہے ترکِ دنیا کا اور شب و روز کھانے کی فکر میں سرگرداں ہے۔

آدابِ ایثار

ایثار دوسروں کی مدد کرنے کا نام ہے۔ ایثار کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ ایثارِ مصاحبت ۲۔ ایثارِ محبت۔ مصاحب سے ایثار کوشش اور تکلیف چاہتا ہے مگر محبوب سے ایثار سربسر مسرّت ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب غلام الخلیل نے صوفیوں پر سختی کی اور ہر ایک کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بنایا تو نوری، رقّام اور بوحمزہ گرفتار ہو کر دربار خلافت میں پیش ہوئے۔ غلام الخلیل نے الزام لگایا کہ یہ لوگ اہل زندقہ (فریب) میں شامل ہیں اور ان کے سرغنہ ہیں اگر ان کی گردنیں اڑا دی جائیں تو زندقہ کی بیخ کنی ہو جائے گی۔ جو اس کام کو سرانجام دے میں اس کے لیے اجر عظیم کا ضامن ہوں۔ خلیفہ نے فوراً قتل کا حکم صادر کر دیا۔ جلّاد نے سب کے ہاتھ باندھ دیئے اور تلوار لے کر رقّام کی طرف بڑھا نوری فوراً "مقتل" (قتل گاہ)

میں مُسکراتے ہوئے رقّام کی جگہ پہنچ گئے۔ لوگ حیران تھے۔ جلاّد نے پوچھا اے جوان مرد! یہ تلوار ایسی چیز نہیں کہ تو مسکراتا ہؤا اُس کی زد میں آئے۔ حالانکہ تیری ہی باری ابھی نہیں آئی۔ نوری نے جواب دیا میرا مسلک ایثار ہے۔ دنیا میں عزیز ترین چیز زندگی

خلیفہ نے درویش سے کہا کسی چیز کی ضرورت ہے تو مانگو۔ جواب ملا صرف ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ آپ ہمیں فراموش کر دیویں نہ ہمیں اپنے قرب سے نوازیں نہ راندہ درگاہ تصوّر کریں۔ ہمارے نزدیک آپ کا قرب اور آپ سے دُوری دونوں برابر ہیں۔

ہے اور میں چاہتا ہوں کہ باقی ماندہ چند سانس ان بھائیوں کے کام آ جائیں میں سمجھتا ہوں کہ اس دنیاوی زندگی کا ایک لمحہ دوسری دُنیا کے ہزار سال سے بہتر ہے۔ کیونکہ یہ مقام خدمت ہے اور وُہ دنیا مقامِ قربت اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ قاصد نے یہ خبر

خلیفہ کو پہنچائی اور وہ نوری کے کلام کی رقّت اور نزاکت سے
حیرت زدہ ہو گیا۔ اُس پر ایسا اثر ہوا کہ اُس نے قتل کا حکم منسوخ
کر دیا اور معاملہ تحقیق کے لیے قاضی کے سپرد کر دیا۔ قاضی سب کو
اپنے گھر لے گیا۔ شریعت و طریقت سے متعلق اُن سے سوال کیے
سب کو ہر پہلو کامل پایا اور اپنی غفلت پر نادم ہوا۔ نوری نے کہا
قاضی صاحب آپ نے جو کچھ پوچھا وہ گویا نہ پوچھنے کے برابر ہے
خداوند تعالیٰ جن کو بزرگی عطا فرماتے ہیں وہ خدا کے لیے کھاتے
ہیں۔ خدا کے لیے پیتے ہیں۔ اسی کے لیے بیٹھتے ہیں اور اُسی کے لیے
کلام کرتے ہیں۔ اُن کی حرکات و سکنات غرض کہ اُن کی ہر چیز
اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ وہ اُسی کے لیے مشاہدہ میں رہتے
ہیں اگر ایک لمحہ کے لیے وہ مشاہدہ حق سے محروم ہو جائیں تو بے قرار
ہو جاتے ہیں۔ قاضی بہت حیران ہوا اور اُس نے خلیفہ کو لکھا کہ
اگر یہ لوگ ملحد ہیں تو دنیا میں کوئی موحد نہیں۔ خلیفہ نے سب کو
دربار طلب کیا اور کہا کسی چیز کی ضرورت ہو تو مانگو۔ سب نے کہا
صرف ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ آپ ہمیں فراموش

کر دیں نہ ہمیں آپ اپنے قرب سے ہمیں سرفراز یں نہ راندہ درگاہ تصوّر کریں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک آپ کا قرب اور آپ سے دوری برابر ہیں۔ خلیفہ آبدیدہ ہو گیا اور اُن درویشوں کو عزت و آبرو سے رخصت کیا۔

نَو درویشوں نے جذبہ ایثار کے تحت پانی نہ پیا اور جان بحق ہو گئے

دس درویش ایک بیابان میں سفر کر رہے تھے اُن پر پیاس کا غلبہ ہُوا۔ صرف ایک پیالہ پانی تھا وہ ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے رہے اور کسی نے پانی نہ پیا حتیٰ کہ ان میں سے نو جان بحق ہو گئے۔ دسویں نے جب دیکھا کہ صرف وہی ایک باقی رہ گیا ہے۔ تو اُس نے پانی پی لیا اور سلامت واپس آ گیا۔ کسی نے اُس سے کہا "بہتر یہی تھا کہ تو بھی پانی نہ پیتا۔" درویش نے جواب دیا۔ "تم شریعت سے بے خبر ہو اگر میں نہ پیتا تو خود کشی کا مرتکب

ہوتا اور عذاب میں گرفتار ہو جاتا۔ اُس نے پھر پوچھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی نو درویشوں نے خودکشی کی۔ درویش نے کہا ہرگز نہیں وہ ایک دوسرے کے لیے ایثار کر رہے تھے جب صرف میں باقی رہ گیا تو بحکم شرع پانی پی لیا۔ مجھ پر یہی واجب تھا۔

وہ اپنی بے سرو سامانی کے باوجود
دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں

جب جنگ اُحد میں مومنوں کی آزمائش ہو رہی تھی تو انصار میں سے ایک عورت نے ارادہ کیا کہ خود میدان جنگ کارزار میں جاکر سرفروشوں کو پانی پیش کرے۔ ایک صحابی زخموں سے نڈھال دم توڑ رہے تھے پانی کے لیے اشارہ کیا جب وہ عورت پانی لے کر آگے بڑھی تو ایک دوسرے زخمی نے کہا یہ پانی مجھے دو۔ پہلے زخمی نے پانی پینے سے انکار کر دیا اور کہا دوسرے کے پاس لے جاؤ۔ جب اُس کے پاس گئی تو تیسرے نے کہا پانی مجھے دو۔

دوسرے نے بھی پانی نہ پیا۔ اور کہا تیسرے کے پاس لے جاؤ۔ اسی طرح سات مجروحین کو پانی پیش کیا گیا۔ ساتویں نے پانی پینا چاہا تو دم توڑ دیا۔ واپسی ہوئی تو باقی چھ بھی جان بحق ہو چکے تھے اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"

(وہ اپنی بے سرو سامانی کے باوجود دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں)

شفقت جو اس کے دل میں خدا کے بندوں کے لیے تھی بخش دیا گیا

ابو جعفر خلدی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابوالحسن نوری گوشہ خلوت میں مناجات کر رہے تھے میرے دل میں آئی کہ کان لگا کر چپکے سے سُنوں۔ مناجات میں عجیب فصاحت تھی۔ کہہ رہے تھے باری تعالیٰ! کیا تو اہل جہنم کو عذاب دے گا؟ حالانکہ سب مخلوق تیری ہے اور تیری ہی قدرت سے معرضِ وجود میں آئی ہے

اگر جہنّم کو پُر کرنا ہی ہے تو صرف میرے وجود سے ساری جہنّم اور اُس کے سب طبقات کو پُر کر دے اور سب کو بہشت میں بھیج دے۔ ابو جعفر کہتے ہیں مجھے سخت حیرت ہوئی اور اُسی رات خواب میں مجھے ہاتف غائب نے حکم دیا۔ ابوالحسن نوری کو بشارت دے دو کہ اُسے اس شفقت اور تعظیم کے باعث بخش دیا گیا جو اُس کے دل میں خدا کے بندوں کے لیے موجود ہے۔

راہِ حق میں قتل ہونے والوں کو مُردہ مت کہو وُہ زندہ ہیں

ایک شخص رویمؒ کے پاس آیا اور وصیّت کا طلب گار ہُوا۔ فرمایا بیٹا! یہ کام جان قربان کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اگر ہمّت نہیں تو صوفیوں کی بے سروپا باتوں میں مت اُلجھ۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ واہیات ہے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ راہِ حق میں قتل ہوئے اُنھیں مُردہ مت تصوّر کرو۔ وہ زندہ ہیں اور پروردگار ان کو رزق دیتا ہے

حق تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ راہِ حق میں قتل ہونے والوں کو مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔ قُربِ جاودانی جان قربان کرتے اپنا حصّہ ترک کرنے اور دوستانِ حق کی پیروی کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حق سے دُوری ہو تو ایثار و اختیار تفرقہ ہے۔ قُربِ حق ہو تو ایثار درحقیقت ایثار ہے بقول شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے

تو مجھ سے دُور ہوا مجھے اپنی خبر نہ رہی۔

آدابِ کلام و خاموشی

مشائخ کی ایک جماعت خاموشی کو کلام سے بہتر سمجھتی ہے اور ایک دوسری جماعت کلام کو خاموشی سے افضل سمجھتی ہے۔ بقول حضرت جنیدؒ الفاظ اور عبارت آرائیاں کسی چیز کا دعویٰ کرنے کی دلیل نہیں اور اثباتِ حقیقت میں دعویٰ بے کار ہے۔ کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اختیارِ گفتگو کے باوجود خاموش رہنا پڑتا ہے۔ مثلاً خوف کے مقام پر بات کرنے کا اختیار اور طاقت ہو بھی تو خوف کے مقام پر لب کشائی نہیں ہوتی۔ دعویٰ بغیر حقیقت منافقت ہے اور حقیقت بغیر دعویٰ اخلاص۔ جس نے بیان کا سہارا لیا وہ

زبان سے بے نیاز نہیں۔ جن کی بنیاد مشاہدہ پر ہے وہ اس راز سے متعلق جو اس کے اور ربِّ قدیر کے درمیان زبان سے آزاد ہے یعنی جس کے لیے راستہ کھل جاتا ہے اُسے بولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کلام کا مقصد غیر کو مطلع کرنا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے احوال کے تغیّر و تبدّل سے متعلق بے نیاز ہے۔ حضرت جنیدؒ کے اس قول سے یہ چیز اور واضح ہو جاتی ہے "جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی اُس کی زبان گنگ ہو گئی کیونکہ عالم مشاہدہ میں گفتار حجاب ہے۔ کہتے ہیں ایک روز حضرت شبلی بغداد کے ایک محلہ کرخ سے گزر رہے تھے۔ دیکھا ایک مدعی طریقت کہہ رہا ہے "خاموشی کلام سے بہتر ہے۔ شبلی نے کہا "تیری خاموشی کلام سے بہتر ہے۔ تیرا کلام لغو ہے اور تیری خاموشی مضحکہ خیز ہے میرا کلام خاموشی سے بہتر ہے۔ تیرا کلام لغو ہے اور تیری خاموشی مضحکہ خیز ہے۔ میرا کلام خاموشی سے بہتر ہے کیونکہ میری خاموشی حلم ہے" مطلب یہ کہ اگر میں نہ بولوں تو یہ میری بردباری سے ہے اور اگر بولوں تو یہ میرے علم کا اظہار ہوگا۔ جب خاموش ہوتا ہوں

تو حلیم ہوتا ہوں اور جب بولتا ہوں تو علیم ہوں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

"میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ کلام دو قسم کا ہوتا ہے اور خاموشی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک کلام کی بنیاد حق پر ہوئی اور دوسرے کی باطل پر۔ اس طرح ایک خاموشی تو مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور دوسرے غفلت پر مبنی ہوتی ہے۔ کلام یا خاموشی کے وقت ہر شخص کو۔ اگر کلام کی بنیاد حق پر ہے تو کلام خاموشی سے بہتر ہے۔ ورنہ خاموشی کلام سے بہتر ہے۔ اس طرح اگر خاموشی مقصود حاصل ہونے اور مشاہدہ کی وجہ سے ہے تو کلام سے بہتر ہے اور اگر یہ حجاب اور غفلت کی وجہ سے ہے تو گفتار بہتر ہے کچھ مدعی جن کے پیش نظر فضول باتیں۔ کچھ نفسانی خواہشات اور بیہودہ عبارت آرائیاں ہوتی ہیں۔ کلام کو خاموشی سے بہتر سمجھتے ہیں اور اس طرح جہلا کی ایک جماعت کو جو کوئیں اور مینار میں تمیز نہیں کر سکتی خاموشی کو کلام سے بہتر کہتی ہے۔ یہ دونوں گروہ یکساں ہیں ان کو بولنے دو اُن کو خاموش رہنے دو۔ خبردار! جو

کوئی بولتا ہے وہ یا غلط بولتا ہے یا صحیح۔ جو تائید غیب سے بولتا ہے وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیطان خود بولا اور اُس نے کہا "میں آدم سے بہتر ہوں" آدم علیہ السّلام کو حق تعالیٰ نے بولنے کا حکم دیا تو اُنھوں نے کہا "اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا" حضرت داتا گنج بخشؒ آخر میں فرماتے ہیں :-

"پس داعیانِ طریقت اپنی گفتار میں مامور اور مجبور ہوتے ہیں۔ اور خاموشی میں شرمسار اور بے اختیار۔ جن کی خاموشی حیا کی وجہ سے ہو اُن کا کلام دلوں کے لیے پیامِ زندگی ہوتا ہے کیونکہ وہ عالمِ مشاہدہ میں بولتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ گفتار بے دلیل ذلیل و خوار ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ میں ہوتے ہیں تو خاموشی کو کلام سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور جب وہ مشاہدہ میں گُم ہوں تو لوگ اُن کے کلام کو تعویذِ جان بنا لیتے ہیں"۔ اسی بنا پر کسی بزرگ نے فرمایا۔

"جب خاموش ہوں تو اُن کا سکوت سونا ہوتا ہے
اور جب بولیں تو ان کا کلام سونا بنانے کا نسخہ اکسیر"

پس سالک کو چاہیئے جب عبودیت کے مقام پر منہمک ہو تو

خاموشی اختیار کرے یہاں تک کہ اُس کی طاقت گفتار ربوبیت پر مشغولِ ثنا ہو کر سرگرمِ سخن ہو اور اُس کا کلام مریدوں کو گرما دے۔

آداب کلام یہ ہے کہ سالک بجز حکمِ الٰہی نہ بولے۔ اور بجز حکمِ الٰہی زبان سے کچھ نہ نکالے۔ خاموشی کے آداب یہ ہیں کہ خاموشی اختیار کرنے والا جاہل نہ ہو۔ جہالت پر مطمئن نہ ہو اور غفلت میں مبتلا نہ ہو۔ مُرید کو چاہیئے کہ رہنماؤں کے کلام پر دخل انداز نہ ہو اس میں تصرف نہ کرے۔ بے سروپا اور سطحی گفتگو نہ کرے۔ جس زبان سے کلمہ شہادت پڑھا ہے اور اقرار توحید کیا ہے اُسے جھوٹ اور غیبت کے لیے استعمال نہ کرے۔ مسلمانوں کا دل نہ دکھائے۔ درویشوں کو ان کا نام لے کر نہ پکارے۔ جب تک اُس سے کچھ پوچھا نہ جائے زبان نہ ہلائے۔ درویش کے لیے خاموشی کی شرط یہ ہے کہ باطل پر خاموش نہ رہے اور بولنے کی شرط یہ ہے کہ بجز حق کوئی بات زبان سے نہ نکالے۔ اس اصل کی کئی شاخیں ہیں اور بیشمار لطائف ہیں مگر میں اس پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے واللہ اعلم۔"

اختتام

فہرست کُتب جن سے استفادہ کیا گیا

۱- پاکستان میں فارسی ادب - ڈاکٹر ظہور الدین

۲- انوارِ اولیا مرتبہ رشید احمد جعفری ندوی

۳- تذکرہ علی بن عثمان مؤلفہ نسیم چودھری

۴- اسلام - صراط المستقیم ترجمہ غلام رسول مہر مرتبہ کینیتھ مارگن

۵- گنج بخشؒ بحیثیتِ عالم تحقیقی مقالہ ایم - اے مجید یزدانی -

۶- کشف المحجوب منقولہ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی
جو پروفیسر مولوی محمّد شفیع سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کے
کتب خانہ میں محفوظ ہے -

۷- آفتاب ہجویر مؤلفہ پیام شاہجہان پوری

۸- سیرت گنج بخش مؤلفہ غلام جیلانی مخدوم

۹- تذکرہ علی ہجویری مؤلفہ کلیم سیدامین الدین دہلوی

۱۰- سفینۃ الاولیا مؤلفہ شہزادہ محمّد داراشکوہ قادری

۱۱- "نفحات الانس" مؤلفہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ

۱۲- "ملفوظات" مؤلفہ سیّد اشرف جہانگیر سمنانیؒ

۱۳۔ تذکرۃ الاولیا مؤلفہ خواجہ فریدالدین عطارؒ
۱۴۔ انگریزی ترجمہ کشف المحجوب آر۔ اے۔ نکلسن
۱۵۔ "دی ڈاکٹرین آف دی صوفیز" اے۔ جی آربری۔ انگلستان
۱۶۔ "صوفی پاتھ آف لو" مارگیرٹ سمتھ۔ انگلستان
۱۷۔ "صوفی آڈران اسلام" سپنسر ٹرمنگھم۔ انگلستان
۱۸۔ ہائی سپائٹس آف پنجاب جسٹس سیّد امیر علی کلکتہ ہائی کورٹ
۱۹۔ اُردو انسائیکلوپیڈیا۔ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور
۲۰۔ سلطان العاشقین۔ حضرت خواجہ مستان شاہ کابلیؒ
۲۱۔ جامع التواریخ۔ مؤلفہ مولوی فقیر محمدؒ
